

خلافت

علم منهاج نبوت میگزین

((... ثم تكون خلافة على منهاج النبوة))

”... پھر خلافت علیٰ منہاج نبوت (نبوت کے نقشِ قدم پر خلافت) قائم ہو گی“ (بخاری)



عدلیہ کا بحران

اصل سبب اسلام کا عدم نفاذ ہے

اسلام پولیس میٹ کے انداز میں حکومت کرنے کو حرام قرار دیتا ہے

”کامیاب عورت“، ”کامغربی“ اور اسلامی نقطہ نظر
افغانستان میں عدم استحکام کی اصل وجہات اور اس کا درست حل

خلافت

میگزین
علمی نہاج نبوت

شماره نمبر 4

جمادی الاول، جمادی الثاني
1428ھ 2007ء

فهرست

اداریہ	2
فقہی امور	
دروس قرآن الکریم	3
دریں حدیث	4
سیرت کے اوراق سے	5
علاقائی امور	
عدلیہ کا بحران اصل سبب اسلام کا عدم نفاذ ہے	8
افغانستان میں عدم استحکام کی اصل وجہات اور اس کا درست حل	11
'امر بالمعروف اور نهى عن المنکر' کا اسلامی حکم اور اس کا صحیح دائرہ کار	14
خلافت اسپیشل	
شرعی دلائل کی روشنی میں خلافت اور جمہوریت کا مقابلی جائزہ	17
فکری امور	
اسلام پولیسٹیک کے انداز میں حکومت کرنے کو تراجم قرار دیتا ہے	23
"کامیاب عورت" کا مغربی اور اسلامی نقطہ نظر	25
عالیٰ امور	
عرب کا نفرن	29
خبرنامہ مسلم	32
تصویری خبرنامہ	34



بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

حدیث نبوی ﷺ ہے:

"تمہارے اندر عہد نبوت موجود رہے گا جب تک اللہ چاہے گا، پھر جب اللہ اسے ختم کرنا چاہے گا تو اس کو ختم کر دے گا۔ پھر نبوت کے نقش قدم پر خلافت قائم ہوگی جو (اس وقت تک) رہے گی جب تک اللہ چاہے گا، پھر جب اللہ اسے ختم کرنا چاہے گا تو اسے ختم کر دے گا۔ پھر موروٹی حکومت کا دور ہو جو (اس وقت تک) رہے گا جب تک اللہ چاہے گا، پھر جب اللہ چاہے گا، پھر جب اللہ اسے ختم کرنا چاہے گا تو اسے ختم کر دے گا۔ پھر جارانہ حکومت کا دور ہو گا جو (اس وقت تک) رہے گا جب تک اللہ چاہے گا، پھر جب اللہ اسے ختم کر دے گا۔ پھر نبوت کے نقش قدم پر خلافت قائم ہوگی۔"

(رواه احمد)

زیرِ تعاون: فی شمارہ 10 روپے

Published by:

'Shabab-ul-Umma'

Publications Lahore Pakistan

حزب التحریر کی ویب سائنس:

www.hizb-ut-tahrir.info

www.hizb-ut-tahrir.org

www.khilafah.com

رابطہ، مضمایں بھیجیں اور میگزین منگوانے کے لیے

info.khilafat@yahoo.com

www.khilafat.pk



کشمیر اور فلسطین کے معاملے پر ہمارے حکمرانوں کا طرزِ عمل

25 اپریل 2007 کو دورہ پیغمبر کے دوران جزل مشرف کی طرف سے بیان جاری ہوا جس کے اندر مشرف نے کہا کہ ”ہم بھارت کے ساتھ جامع مذاکرات میں صروف ہیں جن کا مقصد کشمیر سمیت تمام تباہات کو حل کرنا ہے، اس مسئلے پر اہم پیشافت ہوئی ہے“، نیز مشرف نے منوبہن سنگھ کو قابل بھروسہ اور مردم امن قرار دیتے ہوئے کہ ”مسئلہ کشمیر کا حل تو قع سے پہلے بھی نکل سکتا ہے“، قبل ازیں وزیر خارجہ خورشید احمد قصوری نے یہ بیان جاری کیا تھا کہ ”مسئلہ کشمیر کے حل کے سلسلہ میں بات چیت مکمل ہو چکی ہے بس چند امور کو نبٹانا باقی ہے“، انہی دنوں پاکستان کے ایک خجی چینل جیو پرائزرو یو ڈیتے ہوئے خورشید احمد قصوری نے یہ بات بھی دہرائی کہ بیک ڈورڈ پلوٹی کے ذریعے بھارت سے مسلسل بات چیت جاری ہے۔ جبکہ 20 اپریل کو عرب لی وی سے اٹزو یو کے دوران جزل مشرف نے کہا کہ ”مسئلہ فلسطین کے حل کے لیے میری شاشی قبول کر لی جائے اور اگر میرے دورے سے مسئلہ فلسطین حل ہونے میں اسرائیل جانے کو تیار ہوں،“ شاشی کے کردار اور دورے کی خواہش کے جواب میں اسرائیل کی وزارت خارجہ کے ترجمان مارک را گیونے کہا کہ ”اسرائیل تباہ کے حل کے لیے پاکستانی پیشکش کا خیز قدم کرتا ہے لیکن اس معاملے پر صدر مشرف کی کوششیں اور پیش رفت محمد و درہنے کا مکان ہے“

بچھلی صدی کی بجا پس کی دہائی میں استعماری کفار نے امت مسلمہ کے جسم پر دکاری زخم لگائے تھے۔ ایک بر صیر کی تقسیم کے دوران 1947ء میں مسلم اکثریت علاقے کشمیر پر ہندو بنٹنے کے ہاتھوں ناجائز قبضہ اور دوسرا 1948ء میں فلسطین کی مقدس سرزمین پر ناپاک یہودی وجود اسرائیل کا قیام۔ ایک ایسی سرزی میں جس کی آزادی کے لیے سینکڑوں مسلمان اپنی جان قربان کر چکے ہیں۔ امت مسلمہ کے یہ رستے ہوئے زخم آج نصف صدی گزرنے کے باوجود بدستور موجود ہیں اور ان دونوں سرزی میں ان پر کفار مسلمانوں کے خون سے ہوئی کھیل رہے ہیں۔ کفار کا یہ وجود مسلمانوں کی سرزی میں پر مسلط ایجنت حکمرانوں کے مر ہون منت ہے جو کفار کے وجود کو ختم کرنے کے لیے اپنی فوجوں کو تحریک کرنے کی بجائے ان کے قبضہ کو برقرار رکھنے کے لیے دن رات ایک کٹے ہوئے ہیں۔

آج پاکستان کے اندر پورے کا پورا سیاسی میڈیم عدلیہ کے مسئلہ پر الجھا ہوا ہے اور کسی کو اس بات کی فکر نہیں کہ حکمران اسلامی سرزی میں سے متعلق کس غداریوں کو پایہ تکمیل تک پہنچانے کے لیے سرگرم عمل ہیں۔ بیک ڈورڈ پلوٹی کے نام پر ہمارے حکمران کشمیر کے کون سے حل کی بات کر رہے ہیں؟ جبکہ بھارت کے حکمران اور سیاسی پارٹیاں اس بات پر جبی ہوئی ہیں کہ کشمیر بھارت کا الٹا اٹا ہے اور وہ آزاد کشمیر کی واہی کی بات کرتی ہیں۔ جیسا کہ 26 اپریل کو بھارت کی اپوزیشن پارٹی بی جے پی نے یہ بیان جاری کیا کہ کشمیر بھارت کا الٹا اٹا ہے اور مذکورات آزاد کشمیر کی واہی کے لیے ہونے چاہیں۔ یہی وجہ ہے مشترکہ کٹھروں کے نام پر ہمارے حکمران صرف آزاد کشمیر ہی نہیں بلکہ شامل علاقہ جات کو بھی بھارتی دائرہ اش میں دینے کے لیے تیار ہی ہے۔ یہی وہ حل ہے کہ جس کے قریب پہنچنے اور اس کے ملک ہونے کی نویز حکمران پاکستان کی عوام کو سنا رہے ہیں اور وہ خود اس بات کو مان رہے ہیں کہ وہ اصل حل جو ہونے والا ہے اس کا علم صرف چند شخصیات کو ہے جیسا کہ خورشید احمد قصوری نے فروری 2007ء کے اوائل میں کہا تھا کہ ”کشمیر پر پیش رفت سے صرف چار پانچ لوگ معلومات رکھتے ہیں“

اسی طرح وہ اسرائیل جس نے فلسطین کی مقدس سرزمین پر قبضہ کیا اور وہاں کے مسلمانوں کو ان کے گھروں سے بیٹھل کیا۔ اور جو بچھلی نصف صدی سے مسلمانوں کو شہید کرنے پر لگا ہوا ہے، اس کے ناپاک وجود کو برقرار رکھنے کے لیے آج جزل مشرف بے قرار ہے اور اسرائیلی لیڈروں کی قدم یوں کے لیے اسرائیل جانے کے لیے بے جین ہے۔ اسرائیلی ریاست کا ایک ایخ مسلمانوں کی زمین ہے، جہاں سے مسلمانوں کو کولا گیا ہے۔ اس بارے میں اللہ کا حکم بڑا واضح ہے، ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿وَاقْتُلُوْهُمْ حَيْثُ تَقْفِسُوْهُمْ وَأَخْرِجُوْهُمْ مِنْ حَيْثُ أَخْرَجُوْكُمْ﴾ ”اور جہاں تم ان کو پاؤ ان کو قتل کرو اور جس طرح انہوں نے تمہیں نکالا ہے تم بھی ان کو نکال دو“ (التبلق: 19)

ہمارے یہ ایجنت حکمران کشمیر اور فلسطین کے مسلمانوں کو بکاو مال سمجھتے ہیں ان کے نزدیک مسلمان کے خون کی کوئی وقت نہیں۔ یہ مسلمانوں کے مقابلہ میں کفار کو ناپاد و سوت سمجھتے ہیں۔ یہ استماری قتوں کے غلام ہیں اور اسی غلامی کا حق ادا کرنے کے لیے مسلمانوں کو بیچنا چاہتے ہیں۔ ایسے ہی لوگوں کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا حکم ہے: ﴿إِنَّمَا يَنْهَا كُمُّ اللَّهُ عَنِ الظَّالِمِينَ قاتلوكم في الدين وأخرجوكم من دياركم وظاهرو على إخراجكم أَن تَوَلَّهُمْ وَمَن يَتَوَلَّهُمْ فَأُولَئِكَ هُمُ الظَّالِمُونَ﴾ ”جن لوگوں نے دین کی وجہ سے تمہارے ساتھ قاتل کیا اور تمہیں تمہارے گھروں سے نکال دیا اور تمہارے نکالنے میں اور وہ کی مدد کی اللہ تعالیٰ ان لوگوں سے دوستی کرنے سے تمہیں منع کرتا ہے جو لوگ ان سے دوستی کرتے ہیں وہی ظالم ہیں۔“ (المتحدة: 9) چنانچہ ان ظالم حکمرانوں اور ان کا تحفظ کرنے والے کفریں ماید ارانہ نظام کو اکھاڑ پھینکنے میں ہی ہماری نجات ہے۔





حکمرانوں کی اطاعت

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَأُولَئِكُمْ مُّنْكَرٌ﴾ "اے ایمان والو! اطاعت کرو اللہ کی اور اطاعت کرو رسول ﷺ کی اور اپنے میں سے اولو الامر (حکمرانوں) کی بھی،" (النساء: 59)

اللہ افالا نتابدھم عند ذلك؟ قال: لا، ما أقاموا فيكم الصلاة، ألا من ولی عليه وال فرآه يأتي شيئاً من معصية الله فليکرہ ما يأتي من معصية الله ولا ينز عن يداً من طاعة) نافرمانی کو اپنی اور اللہ کی نافرمانی کی مانند قرار دیا۔ آپ ﷺ نے اطاعت کرنے پر زور دیا اگرچہ حکمران ایک کالاجشی ہی کیوں نہ ہو۔ یہ سب اس بات کے قرآن کیں کہ حکم قطعی ہے لہذا حکمران کی اطاعت فرض ہے لیکن حکمران کی اطاعت ایسا معاملہ ہے جسے تفصیلاً بیان کیا جانا چاہیے۔ اس آیت کے

علاوہ کئی احادیث بھی ایسی ہیں کہ جن سے یہ پڑھے چلتا ہے کہ حکمرانوں کی اطاعت کرنا مسلمانوں پر فرض ہے۔ جیسا کہ بخاری نے ابو سلمہ بن عبد الرحمن سے روایت کیا کہ انہیوں نے ابو ہریرہؓ کو یہ کہتے ہوئے سنائے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ((من أطاعني فقد أطاع الله، و من عصاني فقد عصى الله، من أطاع أميري فقد أطاعني، و من عصى أميري فقد عصاني)) "جس نے میری اطاعت کی اس نے گویا اللہ کی اطاعت کی اور جس نے میری نافرمانی کی گویا اس نے اللہ کی نافرمانی کی۔ اور جس نے میرے امیر کی اطاعت کی تو گویا اس نے میری اطاعت کی اور جس نے میرے امیر کی نافرمانی کی گویا اس نے میری نافرمانی کی" اسی طرح بخاری نے ہی انس بن مالکؓ سے روایت کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ((إِسْمَعُوا وَأَطِيعُوا وَإِنْ اسْتَعْمَلْ عَلَيْكُمْ عَبْدُ جَبَّشِيَ كَانَ رَأْسَهُ زَبِيَّةً) "سنوار اطاعت کرو خواہ تم پر کالاجشی مقرر کر دیا جائے جس کا سرکشش کی طرح کا ہو" یہ اس بات کے واضح دلائل ہیں کہ حکمران کی اطاعت فرض ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اولی الامر، امیر یا امام کی اطاعت کا حکم دیا ہے۔ جو قرینہ اس حکم کے قطعی (یعنی فرض) ہونے پر دلالت کرتا ہے وہ یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے امیر کی

یعنی اگر حکمران کسی مسلمان کو گناہ کا کوئی کام کرنے کا حکم دے نہ کہ حکمران بذات خود کوئی معصیت کا کام سرانجام دے۔ کیونکہ اگر حکمران کسی کے سامنے گناہ کا کام سرانجام دے لیکن اس شخص کو ایسا کام کرنے کا حکم نہ دے تو اس شخص پر حکمران کی اطاعت کرتے رہنا پڑھی وجہ ہے۔ مسلم نے عوف بن مالکؓ سے روایت کیا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنایا:

((خَيَارًا تَمَكُّمُ الَّذِينَ تَحْبُونَهُمْ وَيَحْبُونَكُمْ وَتَصْلُونَ عَلَيْهِمْ وَيَصْلُونَ عَلَيْكُمْ وَشَرَارًا تَمَكُّمُ الَّذِينَ تَبْغَضُونَهُمْ وَيَبْغَضُونَكُمْ وَتَلْعَنُونَهُمْ وَيَلْعَنُونَكُمْ) قالوا: قلنا يارسول

بقیہ صفحہ 7 پر



اپنے گناہوں پر آہ وزاری کرنا

حضرت ثوبانؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ((طوبی لمن ملک نفسه، وو سعه بيته، وبکى على خطيبته)) ”اس پر حرجت ہو جو اپنے آپ کو قابو میں رکھے اور جو اپنے گناہوں پر آہ وزاری کرے،“ (یہ حدیث الطبری اسی سے روایت ہے جنہوں نے اسے سن قرار دیا)

رسول اللہ ﷺ کے چہرے کی طرف نگاہ ڈالی تو دیکھا کرے اور اللہ کے خوف سے اس کی آنکھوں سے آنسو اور اس کے خوف سے آنسو بہانا اور اپنے گناہوں پر آہ کرنا مندوب عمل ہے۔ اس بارے میں قرآن علیہ) وقت تک اسے قیامت کے دن عذاب نہ ہوگا۔“

صحابہ اکرام کا روایہ بھی یہی تھا کہ جب بھی (الاٰم)

ایک اور حدیث میں ابو ریحانہ نے بیان کیا: ”هم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ایک غزوہ کے لیے نکلے اور میں نے آپ کو یہ فرماتے ہوئے سنا: ”اس آنکھ پر (دوزخ کی) آگ حرام کردی گئی جو اللہ کے خوف سے روئی ہے، (اور) اس آنکھ پر (دوزخ کی) آگ حرام کردی گئی جو اللہ کی راہ (یعنی جہاد) میں جاتی ہے اور میں تیرسی بات بھول گیا لیکن بعد میں، میں نے سنا کہ آپؓ نے ارشاد فرمایا: ”اس آنکھ پر آگ حرام کردی گئی جو ان چیزوں سے نگاہیں جھکائیتی ہے جنہیں (دیکھنا) اللہ نے حرام کیا ہے،“ (السانی)

یہی وجہ تھی کہ مونموں کو اس بات کی تلقین کی گئی ہے کہ وہ ہر وقت اپنے اعمال پر نظر رکھیں۔ اپنے آپ کو حرام کاموں سے دور رکھیں اور جو فرائض اللہ نے ان فرض کئے ہیں ان کی پابندی کریں لیکن انسان کو اپنے بندے کی عاجزی بہت پسند ہے اور ایسے شخص کے لیے اللہ تعالیٰ نے اجر عظیم رکھا ہے، جیسا کہ ابو ہریرہؓ نے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ”جو شخص اللہ کے خوف سے روتا ہے، اللہ اسے کو زیادہ پسند کرتا ہوں کہ میں کسی دوسرے سے قرآن کی تلاوت سنوں،“ پس آپؓ نے آپؓ کے سامنے سورۃ النساء تلاوت کی۔ جب وہ اس آیت پر پہنچ ”بھلا اس دن کا کیا حال ہو گا جب ہم ہر امت میں سے ایک گواہ کھڑا کریں گے اور آپؓ کو ان لوگوں پر گواہ بناؤ کر لائیں گے،“ تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”بس اتنا کافی ہے،“ جب ابن مسعودؓ نے

ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ”جو شخص اللہ کو یاد کرے گا،“ (ترمذی) اسی طرح ایک حدیث میں انسؓ سے روایت ہے کہ ابن ابی مليک سے روایت ہے کہ ہم عبد اللہ بن عمرؓ کے ساتھ مجرم میں بیٹھے تھے کہ وہ عمل ہے جو اللہ کا نہایت پسندیدہ ہے۔ اللہ کو اپنے بندے کی عاجزی بہت پسند ہے اور ایسے شخص کے لیے اللہ تعالیٰ نے اجر عظیم رکھا ہے، جیسا کہ ابو ہریرہؓ نے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ”جو شخص اللہ کے خوف سے روتا ہے، اللہ اسے نار جہنم میں داخل نہیں کرے گا، یہاں تک کہ دودھ والپیش تھا میں داخل نہ ہو جائے اور اللہ اپنی راہ میں قفال کے دروازے اڑنے والی گردوار جہنم کے دھویں کو کبھی اکٹھا نہیں کرے گا،“ (ترمذی) اسی طرح ایک حدیث میں انسؓ سے روایت ہے کہ تمہاری آواز ختم ہو جائے اور تم راؤ یہاں تک کے تمہاری کمرٹوٹ جائے

اوسمی میکریزی جمادی الاول، جمادی الثاني 1428ھ 2007ء

مندرجہ بالا حدیث ہمیں یہ بتاتی ہے کہ اللہ کی یاد کرے اور اللہ کے خوف سے آنسو بہانا اور اپنے گناہوں پر آہ وزاری کرنا مندوب عمل ہے۔ اس بارے میں قرآن علیہ) اور حدیث میں باہر باذکر آیا ہے۔ اللہ تعالیٰ موسیٰ کی نشانی بتاتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں:

﴿وَيَخْرُونَ إِلَى أَذْقَانِ يَكْنُونَ وَيَزِيدُهُمْ خُشُوعًا﴾

”اور وہ اپنی ٹھوڑی یوں کے بل روٹے ہوئے سجدہ میں گرپڑتے ہیں اور یہ قرآن ان کی عاجزی اور خشوع و خضوع بڑھا دیتا ہے،“ (الاسراء: 109)

مزید ایک اور حجہ فرمایا:

﴿إِذَا أَتَلْعَلَى عَلَيْهِمْ آيَاتُ الرَّحْمَنِ خَرُوا سُجَّدًا وَبَكَيْاً﴾ ”ان کے سامنے جب حُمُن کی آنیوں کی تلاوت کی جاتی تھی یہ روٹے ہوئے سجدے میں گرپڑتے تھے،“ (مومیہ: 58)

یہی وجہ تھی کہ امام الانبیاء، آقا دوجہاں حضرت محمد ﷺ کا معمول بھی یہی تھا جیسا کہ ابن مسعود بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھ سے کہا: ”مجھے قرآن پڑھ کر سناؤ،“ میں نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کی: ”کیا میں آپ کو پڑھ کر سناؤں جبکہ یہ تو آپ پر نازل ہوا،“ آپ نے فرمایا: ”میں اس بات کو زیادہ پسند کرتا ہوں کہ میں کسی دوسرے سے قرآن کی تلاوت سنوں،“ پس آپؓ نے آپؓ کے سامنے سورۃ النساء تلاوت کی۔ جب وہ اس آیت پر پہنچ ”بھلا اس دن کا کیا حال ہو گا جب ہم ہر امت میں سے ایک گواہ کھڑا کریں گے اور آپؓ کو ان لوگوں پر گواہ بناؤ کر لائیں گے،“ تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”بس اتنا کافی ہے،“ جب ابن مسعودؓ نے

رسول اللہ ﷺ کی دعوت کے ابتدائی سال

کی فرمادی کم ہوئی اور آپ کو اطمینان ہوا کہ یہ جماعت اللہ ﷺ کا حکم آتے ہی قریش کے سامنے اپنے دین کی دعوت لے کر کھڑی ہو جائیگی۔

دعوت کی شروعات

اسلام کی دعوت کو لوگ اس دن سے جانتے تھے جس دن رسول اللہ ﷺ کو یہ پیغام ملا۔ مکہ کے لوگ جانتے تھے کہ محمد ﷺ ایک نئے دین کی طرف دعوت دے رہے ہیں اور کئی لوگ آپ ﷺ کے ساتھ بھی ہو گئے ہیں۔ اہل مکہ یہ بھی جانتے تھے کہ آپ اپنے ساتھیوں کی تربیت کر رہے ہیں اور یہ بات بھی چھپی ہوئی نہ تھی کہ صحابہ کرام ﷺ مختلف حلقوں میں بٹ کر نئے دین کو سمجھ رہے ہیں اور اپنے اسلام قبول کرنے کی بات قریش پر ظاہر نہیں کر رہے ہیں۔

اہل مکہ اس نئے پیغام سے تباخرتے لیکن وہ یہ نہیں جانتے تھے کہ کس کس نے اسلام قبول کر لیا ہے اور یہ لوگ کہاں جمع ہو کر دین سیکھتے ہیں۔ اس نئے جب آپ ﷺ نے باقاعدہ دین کی طرف بلا یا تو یہ لوگوں کیلئے کوئی نئی بات نہ تھی۔ اہل مکہ کو جس چیز نے چونکا دیا وہ مسلمانوں کا ایک نئی جماعت کی شکل میں اُبھر کر سامنے آتا تھا۔ حمزہ بن عبدالمطلب ﷺ اور ان کے تین دن بعد عمر بن الخطاب ﷺ کے اسلام لانے سے مسلمانوں کو بہت مدد ملی اور پھر اللہ تعالیٰ کا حکم نازل ہوا:

فَاصْدِعْ بِمَا تُؤْمِنُ وَأَغْرِضْ عَنِ الْمُشْرِكِينَ إِنَّ كَفِيلَكَ الْمُسْتَهْزِئُونَ الَّذِينَ يَجْعَلُونَ مَعَ اللَّهِ إِلَهًا أَخْرَجَ فَسَوْفَ يَعْلَمُونَ

”پس تمہیں جس چیز کا حکم ملا ہے اسے واشگاف بیان کرو اور مشرکین سے اعراض کرو۔ مذاق اڑانے والوں کیلئے ہم تمہاری طرف سے کافی ہیں، جو اللہ کے ساتھ دوسرا معبود تھا رہتے ہیں، پس عنقریب انہیں

- 15) عامر بن افہمیر (قریباً 23 سال)
- 16) مصعب بن عییر (24 سال)
- 17) مقداد بن الأسود (24 سال)
- 18) عبد اللہ بن جحش (25 سال)
- 19) عمر بن الخطاب (26 سال)
- 20) ابو عبیدہ بن الجراح (27 سال)
- 21) عتبہ بن غزوان (27 سال)
- 22) ابو حذیفہ بن عتبہ (30 سال)
- 23) بلاول بن رباح (30 سال)
- 24) عیاش بن ربيعہ (30 سال)
- 25) عامر بن ربيعہ (قریباً 30 سال)
- 26) نعیم ابن عبد اللہ (30 سال)
- 27) عثمان ابن مظعون بن حبیب (30 سال)
- 28) حضرت عبد اللہ ابن مظعون بن حبیب (17 سال)
- 29) قدامة بن مظعون بن حبیب (19 سال)
- 30) السائب ابن مظعون بن حبیب (20 سال)
- 31) ابو سلمہ عبد اللہ ابن الأسد المخزوی (قریباً 30 سال)
- 32) عبدالرحمٰن ابن عوف (30 سال)
- 33) عمر بن یاسر (30 تا 40 سال کے درمیان)
- 34) ابو بکر الصدیق (37 سال)
- 35) حمزہ بن عبدالمطلب (42 سال)
- 36) عبیدہ بن الحارث (50 سال)
- ان کے علاوہ سورتیں بھی تھیں جنہوں نے اسلام کی پکار پر لبیک کہا۔
- تین سال کی اس محنت سے صحابہ کی یہ جماعت تیار ہوئی جس کا ہر فرد اپنی فکر و عمل کے لحاظ سے مکمل اسلامی شخصیت کا حامل تھا، ان میں سے ہر ایک فرد کے تصورات اسلامی تھے، وہ اپنی فکر و عمل کے لحاظ سے ایمان کے بلند ترین مقام پر فائز تھے۔ اب آپ
- صحابہ اکرام ﷺ کی تربیت
- اپنی دعوت کے ابتدائی دور میں آپ ﷺ نے لوگوں کی عمر، حیثیت، جنس، اصل اور نسل سے قطع نظر ہر اس شخص کو دعوت دی جس میں آپ ﷺ نے اسے قبول کرنے کی استعداد دیکھی۔ آپ ﷺ لوگوں کو چن کر نہیں بلا تھے بلکہ ہر ایک کو دعوت دیتے اور اس شخص میں دعوت کی قبولیت کے آثار کو بجا پ لیتے تھے۔ اس طرح کئی لوگ اسلام میں داخل ہوئے۔ آپ ﷺ ان لوگوں کی اسلامی تربیت بڑی فکرمندی سے کرتے اور انہیں قرآن کی تعلیم دیتے۔ پھر ان صحابہ کا ایک حلقة ہنا دیتے تاکہ یہ خود دین کی دعوت آگے بڑھائیں۔ یہ تعداد چالیس کے قریب ہو گئی جس میں مرد بھی تھے اور عورتیں بھی، اگرچہ زیادہ تعداد نوجوانوں کی تھی۔ ان میں امیر، غریب، کمزور اور طاقت و رسمی شامل تھے۔
- مؤمنین کی یہ جماعت جس نے اسلام کو قبول کیا اور دعوت کا کام کیا، ان افراد پر مشتمل تھی:
- (1) علی بن ابی طالب (عمر 8 سال)
- (2) زبیر بن العوام (عمر 8 سال)
- (3) طلحہ بن عبید اللہ (11 سال)
- (4) ارقم بن ابی الارقم (عمر 12 سال)
- (5) عبد اللہ بن مسعود (عمر 14 سال)
- (6) سعیداً بن زید (20 سال سے کم)
- (7) سعداً بن ابی وقار (17 سال)
- (8) سعوداً بن ربيعہ (17 سال)
- (9) جعفر بن ابی طالب (18 سال)
- (10) صہیب اروی (قریباً 20 سال)
- (11) زید بن حارثہ (قریباً 20 سال)
- (12) عثمان ابن عفان (قریباً 20 سال)
- (13) طلیب بن عییر (قریباً 20 سال)
- (14) خباب بن الارت (قریباً 20 سال)

معلوم ہو جائے گا، (الحجر: 94)

اب اللہ کے حکم کے مطابق آپ ﷺ نے اس جماعت کو اہل مکہ کے سامنے ظاہر کیا۔ اس جماعت کو آپ ﷺ نے دو صفوں میں منظم کیا، ایک صفت کی قیادت عمر بن الخطاب ﷺ اور دوسرا کی قیادت حمزہ ﷺ نے کی۔ قریش نے کبھی ایسی صفت بندی اور نظم دیکھانا تھا۔ آپ ﷺ نہیں لے کر کعبہ تشریف لائے اور سب نے کعبہ کا طواف کیا۔

یہ وہ مرحلہ تھا جب اسلام کھل کر سامنے آیا اور پہلا خفیہ دور ختم ہو گیا، جس میں دعوت صرف ان لوگوں کو دی جاتی تھی جن سے پہچان تھی اور جن میں قبولیت کی استعداد پائی گئی تھی۔ اب وہ دور شروع ہوا جس میں لوگوں سے عام خطاب کیا گیا۔ اس طرح معاشرے میں ایمان اور کفر کے مابین تکرارہ کا آغاز ہوا اور حقیقت اسلامی افکار اور فاسد کفریہ تصورات کے میں مقابلہ آ رائی پیدا ہو گئی۔ یہاں سے دوسرے دور کا آغاز ہوا؛ تفاصیل یعنی جدوجہد کا دور۔

اس دور میں مشرکین قریش نے دعوت کی مراجحت کرنے کے ساتھ ساتھ رسول اللہ ﷺ اور صحابہ اکرام کو ایذا رسانی بھی کی۔ آپ ﷺ اور صحابہ کرام ﷺ کو مختلف طریقوں سے اذیتیں دی جاتی تھیں۔ آپ ﷺ کے گھر پر پتھراو بھی ہوا، ابوالہب کی بیوی ام جبیل آپ ﷺ کے گھر کے سامنے کچرا اور گندی پھینک دیتی، آپ ﷺ نے ان سب کو نظر انداز کیا۔ ابو جہل نے ایک دفعہ اپنے بتوں پر قربان کی گئی بھیڑ کی آنیتیں آپ ﷺ پر ڈال دیں، آپ ﷺ نے اسے برداشت کیا، آپ فاطمہ کے گھر گئے اور خود کو اس نجاست سے پاک کیا۔ اس سے آپ ﷺ مایوس ہونے کے مجائے اپنے ارادے اور دعوت میں اور مضبوط ہوتے تھے۔

قریش کا ہر قبیلہ مسلمانوں کو دھمکاتا اور ایذا کیں پہنچاتا تاکہ اس قبیلے میں جو کوئی اسلام کی دعوت کو مان چکا ہو وہ اس سے پھر جائے۔ ایک دفعہ، ایک شخص نے اپنے غلام بلاں ﷺ کو گرم ریت پر لٹا کر ان کے سینے پر بھاری پتھر صرف اس وجہ سے رکھا کیونکہ انہوں نے اسلام قول کیا تھا۔ بلاں ﷺ اس

مستقبل کی قیمتیں کیوں نہیں بتاتا، تاکہ ہم بھی اس خبر سے کوئی فائدہ حاصل کر سکیں؟

اس طرح قریش آپ ﷺ کی اور اسلام کی دعوت کا ندان اڑایا کرتے، کبھی ہتھ آمیز با توں سے، کبھی توہین سے اور کبھی خڑ سے۔ لیکن آپ ﷺ اپنے مقصد سے ذرا بھی نہیں ڈگکارے اور لوگوں کو اپنی دعوت دینے پر استقامت سے ڈٹے رہے۔ آپ ﷺ بتوں کی عبادت کرنے والوں کو سوچنے کی دعوت کو برداشت کا مقصد اللہ کی خوشنودی حاصل کرنے دیتے اور سمجھاتے کہ یہ سطحی سوچ کی علامت ہے کہ ان بتوں کی عبادت کی جائے اور ان سے امیدیں باندھی جائیں۔

اب یہ قریش کی قوت برداشت سے باہر ہو رہا تھا، انہوں نے ہر قسم کا حربہ استعمال کیا، کہ آپ ﷺ کو اس دعوت سے باز رکھا جائے، لیکن بے سود۔ قریش نے دعوت کی اس مخالفت میں جو حرہ استعمال کیے وہ یہ تھے:

دعوت اسلام کی مخالفت

جب رسول اللہ ﷺ دین اسلام کی دعوت کے ساتھ مبعوث ہوئے تو لوگوں نے آپ ﷺ اور ان کے پیغام کو قابل توجہ سمجھا۔ اور قریش نے اس صورت حال کو یہ سوچ کر نظر انداز کر دیا کہ عام دانشوروں کی گفتگو کی طرح یہ دعوت بھی اپنا اثر خوکھو دیگی اور لوگ دوبارہ اپنے آبائی دین کی طرف لوٹ آئیں گے۔

(۱) تشدید

- (2) اندر و فی ویروفی طور پر دعوت کے خلاف پر ایجاد
- (3) بایکاٹ

رسول اللہ ﷺ کو اپنے خاندان اور صحابہ کرام کی حفاظت کے باوجود تشدید حملہ نہیں پڑا۔ آل یاسر کو صرف اسلئے تشدید حملہ نہیں پڑا کہ وہ اپنے آبائی دین کی طرف لوٹ آئیں۔ لیکن ان مصائب نے ان کے ایمان اور ثابتت قدیم میں مزید اضافہ کیا۔ ایک بار جب آپ ﷺ آل یاسر کے محلے سے گزرے تو ان پر تشدید کیا جا رہا تھا، آپ ﷺ نے ان سے فرمایا:

((صَبِرْأً أَلْ يَاسِرَ فَإِنَّ مَوْعِدُكُمُ الْجَنَّةَ إِنِّي لَا أُمِلُّ لَكُمْ مِنَ اللَّهِ شَيْئًا))

”اے آل یاسر صبر کرو تمہارا بدلہ جنت ہے اور تمہارا مقدار اللہ کے پاس ہے“

اس پر سمیئہ نے فرمایا:

(إِنِّي أَرَاهَا ظَاهِرَةً يَارَسُولَ اللَّهِ)

”اے اللہ کے رسول ﷺ میں (جنت) دیکھ رہی ہوں“

اس طرح قریش آپ ﷺ اور صحابہ کرام ﷺ کی

حکم کی اطاعت جائز نہیں۔ کیونکہ اس معاملے میں مخلوق کی کوئی اطاعت نہیں جو خالق کی نافرمانی پر منی ہو۔

یہ وہ واحد صورت حال ہے جو کہ حکمران کی اطاعت سے مستثنی ہے یعنی جب وہ معصیت کا حکم دے اور اس امر کے معصیت پر منی ہونے میں کوئی شک و شبہ نہ ہو۔ مثال کے طور پر اگر حکمران سود لینے کا حکم دے۔ تاہم اگر وہ کسی ایسے کام کا حکم دے جو اس کی رائے میں حلال ہو لیکن دیگر لوگ اسے حرام قصور کرتے ہوں تو ایسی صورت حال میں اس کی اطاعت واجب ہے اور اس کی حکم عدولی کرنا حرام ہے۔ اس بات کو معصیت کا حکم دینا قصور نہیں کیا جائے گا بلکہ یہ ایک حلال کام کے کرنے کا حکم ہو گا۔

مثال کے طور پر اگر کوئی شخص فوٹو گراف کپچر کھینچنے کو حرام سمجھتا ہو بلکہ حکمران کی رائے یہ ہو کہ یہ ایک حلال فعل ہے اور وہ سرکاری معاملات کے لیے اس شخص کو قصور یہ بنانے کا حکم دے تو اس شخص کے لیے اس حکم کی اطاعت کرنا واجب ہے اور یہ معصیت کو حلال بنانا نہیں۔ کیونکہ اس معاملے میں حکمران کے نزدیک ابن عباس کی وہ حدیث مصویری کے بارے میں ہے، جو قصور یہنانے کی ممانعت بیان کرتی ہے اور اس کا اطلاق فوٹو گراف کپچر زپر نہیں ہوتا۔ چنانچہ یہ حکمران کے مطابق دلسل یا شبہہ دلسل ہے۔ لہذا حکمران کا سرکاری معاملات یا دستاویزات کے لیے فوٹو گراف تصاویر کے استعمال کا حکم معصیت کا کام کرنے کا حکم نہیں لہذا اس کی اطاعت واجب ہے اور اس معاملے میں اس کی حکم عدولی کرنا جائز نہیں۔

موجودہ حالات میں مسلم سرمذینوں پر مسلط حکمران ناصرف مسلمانوں کو معصیت کا حکم دیتے ہیں بلکہ جن نظاموں کے تحت وہ حکمرانی کر رہے ہیں وہ نظام ہی کفری ہیں۔ ان کا معاملہ اسلام کے تحت حکمرانی کرنے والے خلفاء جیسا نہیں ہے بلکہ ان حکمرانوں اور مسلط کیے گئے نظاموں کو اکھڑا چھیننے کا حکم ہے۔

البيان) بتایا جائے۔ پھر یہ لوگ بھیل گئے اور اہل عرب سے یہ بات کہی کہ محمد ﷺ کی بات نہ سنو کیونکہ اُنکے کلام میں جادو ہے، وہ اپنی باتوں سے لوگوں میں تفرقہ ڈال کر بھائی کو بھائی، ماں، باپ، بیوی اور بہن سے جدا کر دیتے ہیں اور جو کوئی اُنکی بات نہ گاتو وہ اُن کے اثر میں آ کر اپنے خاندان سے علیحدہ ہو جائیگا۔ بہرحال اس قسم کی تھیں اور سازشیں بھی اسلام کی دعوت کو لوگوں تک پہنچانے سے نہ روک سکیں۔ اب قریش نے نظر بن الحارث کو یہ مدداری سونپی کہ وہ آپ ﷺ کے خلاف اس پروپگنڈے کا محاذ سنبھالے۔ نظر کا طریق کاریہ ہوتا کہ جب کبھی آپ ﷺ کسی مجلس کو مخاطب کرتے اور بھیل قوموں پر ہونے والے اللہ کے عذاب کی بات بتاتے، تو وہ تاک میں رہتا اور جیسے ہی آپ کی بات ختم ہوتی اور آپ روانہ ہوتے تو وہ ان لوگوں کو مخاطب کرتا اور انہیں فارسیوں کے بچھلے تھے اور اُنکے مذہب کے بارے میں کہانیاں سنانے لگتا اور کہتا: ”کیا محمد ﷺ مجھ سے بہتر کہانیاں سناتے ہیں؟ کیا محمد ﷺ کی طرح میں بھی پرانے قصہ نہیں سناتا؟“

یوں کفارِ مکہ کو شش میں سرگداں رہے کہ لوگ آپ اور آپ کے ساتھیوں سے متفرق ہو جائیں۔

﴿بِقِيَّةِ صَفْحَةِ نُمْبَرِ ۳ سے﴾

درس قرآن الکریم

”ایسے امیر ہوں گے جن کے (بعض کاموں کو) تم معروف پاؤ گے اور (بعض کو) منکر۔ تو جس نے پچان لیا وہ بری ہو اور جس نے انکار کیا وہ (گناہ سے) محفوظ رہا۔ لیکن جو راضی رہا اور تابعداری کی (وہ بری ہوانہ حفظ و رہا)۔ پوچھا گیا: ”یا رسول اللہ ﷺ! کیا ہم انہیں توارکے ذریعے باہر نہ نکال پہنچنیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ”نہیں، جب تک کہ وہ نماز پڑھتے رہیں“

لیکن اگر حکمران کسی شخص کو کوئی ایسا حکم دے جس کے کرنے میں اللہ کی نافرمانی ہوتی ہو تو حکمران کے اس طرح کی لمبی چوڑی بحث کے بعد یہ طے پایا کہ اللہ کے رسول ﷺ کو لکھنوں کا جادوگر (ساحر

عدلیہ کا بحران - اصل سبب اسلام کا عدم نفاذ ہے



نوید بٹ

navid.butt@yahoo.com

انسان جب بھی اپنے آپ کو عقل کل تصور کرتا ہے یا خود کو اللہ سے زیادہ ذہن اور میں سمجھتا ہے تو الٰہ منہ کی کھاتا ہے۔ مغرب کا زوال پذیر ہوتا ساری یاد رانہ نظام اس کی ایک روشن دلیل ہے۔ آج امریکہ میں لاکھوں لوگ غربت کی لکیر سے یونچ زندگی گزارنے پر مجبور ہیں۔ آزادی کا پروارہ معاشرہ single parents (بن بابا بن ماں) کی وباء کا شکار ہے جس کی وجہ سے ان کی نئی نسل نشیات اور لیگل میں آسودگی تلاش کرتی نظر آتی ہے۔ ہر طرف اللہ کے قوانین کے خلاف بغاوت کرنے والے بتدریج اپنے کیفر کردار تک پہنچ رہے ہیں۔ پاکستانی معاشرہ بھی مغرب کی انہی تقییدیں اسی طرف روای دوال ہے۔

گوکہ ہمارے معاشرے میں آج بھی مسلمانوں کی ایک کثیر تعداد اپنی مرضی سے اپنے ذاتی اور انفرادی تعلقات میں اسلام کی اتباع کر رہی ہے لیکن دیگر معاملات میں ان پر انگریز کا چھوڑا ہوا کفر نظام ہی نافذ ہے۔ چنانچہ ہمارا خاندانی ڈھانچہ family (system) آج بھی کسی قد راسلامی ہے، جہاں ہم ماں، بابا، بھائی، بہن، قریبی رشتہ دار وغیرہ کے ساتھ تعلقات میں اسلام کی جملک دیکھ سکتے ہیں۔ آج بھی معاشرے میں آزادی کے نام پر ایک بہن اپنے بھائی کو کر سکتی۔ لیکن جہاں تک معاشرے کے اجتماعی معاملات کی تیزی کا تعلق ہے تو اس کے لئے جو نظام نافذ ہے اس کا اسلام سے کوئی تعلق نہیں یہی وجہ ہے کہ حکومت سودی لین دین کو حلال قرار دیتی ہے۔ نیوایر نائٹ ہو یا بست کا تھوර اسے قانونی تحفظ حاصل ہوتا

ہے۔ عوامی کنسٹریٹس ہوں یا سرکاری ایلیٹ مجرے ہوتا تو کیا اس طرح کے بحران پیدا ہونے کی کوئی گنجائش سب کے سب موجودہ قانون کی زد سے محفوظ ہیں۔

پاکستان کا آئینہ غیر اسلامی شقوق سے بھرا پڑا اسی طرح افغانستان میں امریکی افواج کو اونٹے اور گوشہ پہنچانے کا عمل ہو یا مسلمانوں کے جموں کا قیمت کرنے والے ہیل فائز اور ڈینی کٹر ہبوں کی ترسیل چیف جسٹس کے خلاف ریلفنس جاری کیا ہے دیگر کا، دونوں کو قانونی حیثیت حاصل ہے۔ نیز یاد رہے کہ آئینہ کی ستر ہوئی ترمیم کے بعد کوئی شہری اس کے چھوڑے عدالتی نظام اور پیش کوڈ کو محض چند کامیک تبدیلیوں کے ساتھ من و عن قبول کر لیا تھا۔ یہی معاملہ حکومتی نظام کا ہے جس میں چند شرائط کا اضافہ تو کیا گیا لیکن عوامی نمائندوں کی اکثریت ہی کو قانون سازی کا حصہ سرچشمہ قرار دیا گیا۔ اسی کی بنیاد پر حال ہی میں حدود آرڈیننس میں تبدیلی کی گئی۔ اور اسی وجہ سے صرخ کفر یہ قوانین تاحال برقرار ہیں کیونکہ اس اکثریت نے ان قوانین کو کاحدم قرار نہیں دیا گوکہ شریعت اسے چودہ سو سال قل حرام قرار دے چکی ہے۔ چنانچہ معلوم ہوا کہ موجودہ نظام اللہ کے دینے کے قوانین کو بالائے طاق رکھ کر انسان کی ذہنی اختراع کو قوانین کی بنیاد اور منبع بناتا ہے۔ حالیہ آئینے بحران کی وجہ بھی نظام اور آئینے ہے جو ایسے قوانین دیتا ہے جو انسانوں کے مسائل کو سمجھانے کی بجائے انہیں مزید

سنے کی بجائے مستوفی ہو جائے تو اس کے خلاف ریفارمین نے کہ اگرچہ داخل نہیں کیا جاتا۔ یہ کہاں کا انصاف ہے کہ اگرچہ اپنے عہد سے دستبردار ہو جائے تو تمام ترسیاہ کو سفید تسلیم کر لیا جائے؟ کیا یہی معاملہ دیگر تمام حکومتی اعتراف ہوتا ہے؟ کیا عوام کو بھی اس قسم کی "سہولت" عہدوں کا ہے؟ یہ ہے انسان کا بنایا ہوا قانون جو کبھی بھی میسر ہے؟ یہ ہے انسان کے برخلاف ہے کیونکہ اختیارات کے تمام انسانوں کو انصاف مہیا نہیں کر سکتا۔ اسلام میں اس طرح کا کوئی استثنائی قانون نہیں ہے اور تمام لوگ قانون کی نظر میں برابر ہیں۔

مزید برآں آئین کے آرٹیکل 209 کے مطابق فریقین کے ساتھ زیادتی کے امکانات کم ہو جاتے ہیں بلکہ عوام میں بھی بدغیر نہیں پھیلتے۔ موجودہ بحران میں عوامی اضطراب کی ایک بڑی وجہ خیہ عدالتی کارروائی ہے جس کو میڈیا پر یہ جوڑیشل کوںسل کی طرف اپنے انتشار کرتی ہے۔ جبکہ اسلام کے عدالتی نظام میں فیصلے اکثریت کی بنیاد پر نہیں ہوتے۔ ہر عدالت میں فیصلے کا حق حصہ ایک بجھ کے پاس ہوتا ہے جو دیگر جوں سے مشورہ تو کر سکتا ہے لیکن فیصلے کا ذمہ دار وہ اکیلا ہی ہوتا ہے کیونکہ سنت نبوی اور اجماع الصحابةؓ سے صرف بھی شک کی رنگا سے دیکھتے ہیں۔

اس نظام کا ایک اور بودہ پن یہ بھی ہے کہ پریم آئین کا یہ آرٹیکل اسلامی عدالتی نظام سے متصادم ہے۔

اسلام کا عدالتی نظام حجج کو حکمران کے دباؤ سے آزاد کرتا ہے۔ اسلام کے تحت اگر کسی حکمران کے خلاف کسی بھی قسم کا کسی قضی مظالم کے زیر گور ہے تو پھر کسی کے اختیام تک خلینہ اس قضی کو معزول نہیں کر سکتا۔ جبکہ قضی کے پاس قوانین کے تحت کسی جرم کے ارتکاب کی صورت میں خلیفہ کو معزول کرنے یا اسے سزا دینے کا اختیار ہوتا ہے۔

پاکستان کے قوانین کے مطابق ایک شخص کے خلاف FIR کٹ جائے تو اس ملزم کو جوڑیشل ریمانڈ پر جیل بھجوادیا جاتا ہے اور اگر اس کے پاس حفانت کروانے کے وسائل نہ ہوں تو وہ سالہا سال جیل میں سڑتارہتا ہے قلع نظر اس کے کوہ ایک سچی ایف آئی آرچی یا جھوٹی۔ چیف جسٹس کے ساتھ بھی اس سے ملتا جلت سلوک روا رکھا گیا جبکہ ابھی تک ان پر کوئی جرم ثابت نہیں ہوا تھا۔ اس کے برعکس اسلام میں ایک ملزم کو محض شک کی بنابر جیل نہیں بھجوایا جاتا۔ چنانچہ چیف جسٹس کے ساتھ ہونے والی زیادتی بھی درحقیقت اسی

دلے رہے ہیں۔ لیکن اگر اسلامی قوانین نافذ ہوتے تو عوام خود کسی بھی قضی مظالم کے پاس جا کر چیف جسٹس کا محاسبہ کر سکتے تھے اور اس صورت میں کسی کو بھی موجودہ آئین کے آرٹیکل 209 کے تحت ایک عام آدمی ہائی کورٹ یا پریم کورٹ کے حجح حضرات کا از خود محاسبہ نہیں کر سکتا اور نہ ہی انہیں کسی عدالت کے کٹھرے میں کھڑا کر سکتا ہے۔ وہ ان کے خلاف کسی بھی قسم کی قانونی چارہ جوئی کے لئے چیف جسٹس یا صدر کی اجازت کا محتاج ہوتا ہے جو اپنی مرمنی کے مطابق اس حجج کے خلاف ریفارمین سپریم جوڑیشل کوںسل کو بھیجنے یا نہ بھیجنے کا فیصلہ کرتا ہے۔ جیسا کہ ہم نے دیکھا کہ اپنے خلاف ریفارمین آنے کے بعد چیف جسٹس صاحب نے اعتراف کیا کہ ان کے پاس اس سے پیشتر دیگر دو جوں کے خلاف بھی شکایات آچکی تھیں جنہیں انہوں نے ابھی تک پریم جوڑیشل کوںسل کو نہیں بھجوایا تھا۔ چنانچہ معلوم ہوا کہ یہ نظام دیگر حکومتی اہلکاروں کے مقابلے میں ان حجح حضرات کے ساتھ امتیازی سلوک روا رکھتا ہے جس کی شریعت میں کوئی دلیل نہیں ملتی۔ یہ استثنائی طریقہ کارہی انصاف تک رسائی میں عوام کے لئے ایک بڑی رکاوٹ بنا ہوا ہے۔

اسلام میں کوئی مقدس گائے نہیں ہوتی اور نہ ہی کوئی شخص قانون سے بالاتر ہوتا ہے۔ خلافت میں رانج اسلام کے عدالتی نظام میں حجح حضرات کے محاسبہ کا عمل برا سادا، تیز تر اور شفاف ہوتا ہے۔ اسلام کے تحت حکمران، حجج اور حکومتی اہلکار تමام کے لئے محاسبہ کا ایک ہی طریقہ کارہے۔ کسی بھی شہری کو حجج کا محاسبہ کرنے اور اس کو عدالت کے کٹھرے میں کھڑا کرنے کے لئے حکمران یا چیف جسٹس کے ریفارمین یا اجازت کی ضرورت نہیں ہوتی۔ بلکہ وہ شخص کسی بھی "قضی مظالم" کے پاس جا کر کسی دوسرے حجج، حکومتی اہلکار یا حکمران کے خلاف مقدمہ دائر کر کے انصاف حاصل کر سکتا ہے۔ یوں حکمرانوں کا اس مسئلے میں فریق بننے کا بھی کوئی امکان نہیں ہوتا جیسا کہ موجودہ بحران میں ہو گیا ہے۔ عوام کے غم و غصے کی بڑی وجہ ہی یہ ہے کہ چیف جسٹس کے معاملے میں صدر مملکت فریق بننے ہوئے ہیں اور وہ اسے عدالیہ اور ایوان صدر کی جنگ قرار

ہٹنی کیفیت (mindset) کا نتیجہ ہے جہاں ایک ملزم تقریباً ایک مجرم ہوتا ہے اور اس کے ساتھ ناروا سلوک رکھنا کوئی خاص بری بات نہیں ہوتی۔ اب چیف جسٹس صاحب کو بھی اندازہ ہو گیا ہو گا کہ جن کفر قوانین کو وہ عوامِ الناس پر لا گو کرتے رہے ہیں وہ کس قدر ظالمانہ اور جابرانہ ہیں!

اللہ تعالیٰ نے قرآن میں واضح طور پر کافروں کو مسلمانوں کے اوپر کسی بھی قسم کی احتارثی اور حکمرانی سے منع فرمایا ہے۔ ارشادِ پری تعلیم ہے:

﴿وَلَنْ يَجْعَلَ اللَّهُ لِلْكُفَّارِ فِي عَلَى الْمُؤْمِنِينَ سَبِيلًا﴾

”اور اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے ہرگز کافروں کیلئے مسلمانوں پر غالب آنے کی کوئی سیل نہیں رکھی۔“ (النساء: 141)

قاضی القضاۃ کا عہدہ مسلمانوں پر غالب ہونے کی ایک سیل ہے۔ یہی وہ آیت ہے جو مسلمانوں پر کافروں کی حکمرانی اور حکمیت کو منوع قرار دیتی ہے۔

البتہ ایک غیر مسلم شہری کے دیگر مسلمان شہریوں کی طرح تعلیم، نان، نفقة، جان، مال اور عزت وغیرہ سے متعلق تمام حقوق میسر ہوتے ہیں۔ نیز ایک قاضی انصاف فراہم کرتے ہوئے رنگ، نسل اور مذہب کی بنیاد پر فرقین میں تمیز نہیں کر سکتا۔

افسوں کے اسلامی پارٹیاں آزادی مذہب کے کفریہ افکار سے اس قدر مروع ہو چکی ہیں کہ وہ اسلام کے قطعی احکامات امت تک پہنچانے سے بھی شرمندہ اور خائف ہیں۔ کیا علماء جانتے ہیں کہ اسلام کا فرج کی حکمیت کو قبول نہیں کرتا؟ تو آخراً کافر کے چیف جسٹس بننے پر اتنی خاموشی کیوں برقرار رہتی ہے؟ حدود آڑنیش پر اتنا سورج چاپا گیا جبکہ پوری کی پوری عدالتی کیوں ہے جس کی شہادت دینے پر ہے۔ اس کا انکار کرنے والا چاہے جتنے مرضی بجدے کرے یا اسلام پر بڑی سے بڑی ڈگریاں حاصل کرے، مسلمانوں کا حکمران یا قاضی نہیں بن سکتا۔ اگر حکمران عوام کو اسی ڈگر پر چلاتے رہے تو پھر وہ دن دور نہیں جب مسلمان عورت کا کافر سے نکاح کرنا اور پاکستان کا غیر مسلم وزیر اعظم اور صدر ہونا مجبوب نہ سمجھا جائیگا۔

اسلام کی رو سے اسلامی نظریاتی ریاست یعنی خلافت میں کوئی بھی کافرنے تو حکمران ہو سکتا ہے اور نہیں۔ اس میں قاضی القضاۃ، قاضی محتصب یا قاضی عام کی کوئی تخصیص نہیں۔ قاضی کی ذمہ داری فرقین پر اللہ کے حکم کو جاری کرنے کی ہوتی ہے۔ اور وہ شخص جو اللہ پر ہی ایمان نہیں رکھتا اس پر کوئکھر و سے کیا جاسکتا ہے کہ وہ فیصلہ کرتے ہوئے تقویٰ کو لمون رکھتے ہوئے پوری دیانت داری کے ساتھ اللہ کا حکم جاری کریگا۔ نیز

سود پر بنی اقتصادی نظام برقرار رہی گا۔ بے گناہ لوگ جو جوئی ایف آئی آرکی بنا پر مقدمہ کے فیصلے سے قتل ہی جیلوں میں سڑتے رہیں گے۔ پاکستان کی سرزی میں، اس کی فوج، اس کے وسائل اسلام کے خلاف جاری جنگ میں استعمال ہوتے رہیں گے۔ ایک ایلیٹ گروہ اسمبلیوں میں بیٹھ کر اللہ کی بجائے از خود قانون سازی کرتا رہی گا۔ یہ سب کچھ اس لئے وثوق سے کہا جاسکتا ہے کیونکہ چیف جسٹس کی موجودگی میں یہ سب کچھ ماضی میں بھی ہوتا ہا اور انہوں نے ان میں سے کسی کو بھی غیر آئینی یا غیر اسلامی قرار نہیں دیا۔

چنانچہ مشرف حکومت اس نظام کو استعمال کرتے ہوئے اپنے خلاف اٹھنے والی ہر آواز اور کمزور سے کمزور مراجحت کو بھی کمائٹو دا یکشن کے ساتھ کچل دینا چاہتی ہے۔ حکمرانوں اور عدالتی میں ہونے والی یہ کلکش کوئی نہیں بات نہیں۔ اس کی بنیادی وجہ وہ انسان کا بنا یا ہوا غیر اسلامی آئین ہے جو دونوں کے دائرہ کار اور اختیارات میں تو ازاں قائم نہیں کر سکتا۔ جس کی وجہ سے یہ دونوں ادارے الامالہ مد مقابل آ کر جران کا سبب بنتے ہیں جس کے نتیجے میں محض عوام ہی کی زندگیاں متاثر ہوتی ہیں۔ اسی لئے اس آئین کو چلانے والی جمہوری حکومتیں ہوں یا آمرانہ حکومتیں عدالتی اور ایکزیکٹو کی کلکش برقرار رہتی ہے۔ نواز شریف کی جمہوری حکومت ہو یا مشرف کی آمرانہ حکومتیں پر اتنا شور چاپا گیا جبکہ پوری کی پوری عدالتی کوہنے اور ایکزیکٹو کی کلکش برقرار رہتی ہے۔

آئین اپنی اساس میں ایک خالص سیکولر اور کفریہ آئین ہے جس سے کبھی اسلام نہیں پھوٹ سکتا۔ دیکھایا ہے کہ وہ اس حقیقت کا علی الاعلان کب اعتراف کرتے ہیں اور اس سے نجات حاصل کرنے کی کب تحریک چلتا ہے۔

عوام یہ بھی جانتے ہیں کہ اگر چیف جسٹس کو دوبارہ فعال کر بھی دیا گیا تو سکتی انسانیت کو بیلیف یا انصاف نہیں ملے گا۔ پی ایس اور پی ایل جیسے عوامی اشاعتی جات، جن کی نجی کاری حرام ہے، ملٹی نیشنز اور سرمایہ دار کے ہاتھ بکتے رہیں گے۔ انگریز کا دیا ہوا غیر اسلامی عدالتی نظام عوام ظلم کے پہاڑ ڈھاتا رہی گا۔



افغانستان میں عدم استحکام کی اصل وجہات اور اس کا درست حل



500 میلین ڈالر امداد کا اعلان کیا ہے۔ اس کے علاوہ امریکہ نے نیٹو کو اپنی ہوچکا ہے۔ اس کے علاوہ امریکہ نے نیٹو کو اپنی افواج کی تعداد بڑھانے کا بھی کہا ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ امریکہ نے پاکستان پر دباؤ و زیر خارجہ ریگن دادر کے ساتھ ملاقات کے بعد بھارتی وزیر خارجہ پرنساب مکھر جی نے افغانستان کے لیے مزید 100 میلین ڈالر کا اعلان کیا۔

فروری 2007 کو امریکی صدر بیش نے ایک بار پھر افغانستان میں اپنی ناکام کوششوں پر امریکی عوام کو اعتماد میں لینے کی کوشش کی۔ ایک مقامی ہوٹل میں ”دہشت گردی کے خلاف عالمی جنگ“ کے موضوع ”جنگ عوام اس بات پر قائل ہو جائے کہ انہیں جلد ہی افغانستان میں کامیابی مل جائے گی۔ لیکن حقائق یہ ہیں کہ امریکہ کی سخت محنت کے باوجود وہ افغانستان میں حالات قابو سے باہر ہوتے جا رہے ہیں۔ امریکہ اس مسئلہ سے نبٹنے کے لیے وہاں پر اڈے تعمیر کرنے کی کوشش کرچکا ہے۔ 29 ستمبر 2004 کو Pentagon's Defence)DSCA (Security Coperation Agency نے کانگریس کو اپنے منسوبوں سے آگاہ کیا جس میں وہ کابل میں پانچ اڈے اور چار معاشراتی کمانڈ سینٹر، جو گردیز، قندھار، هیرات اور مزار شریف میں ہو گئے، تعمیر کرنا چاہتے ہیں۔ 22 دسمبر 2004 کو امریکی افواج کے ترجمان میھمنگ مارک میکن نے تصدیق کی کہ ان میں سے ایک اڈے پر، جو ہیرات میں ایرانی سرحد کے بالکل قریب ہے، پر تعمیراتی کام شروع آلات دیئے ہیں جن کی مدد سے وہ سرحد پار کرنے والے دہشت گروں کا پتہ لگا سکیں گے۔ ہم انہیں

ڈاکٹر عبدالواجد

drabdulwajid@hotmail.com

اگرچہ پاکستان میں بہت سے افراد اس حوالہ سے فکر مند ہیں کہ پرویز مشرف امریکی مفادات کی خاطر پاکستانی مفادات کو قربانی کی بھیت چڑھا رہا ہے لیکن مشرف اپنے جھوٹ پر ڈٹا ہوا ہے۔ ایک بار پھر فروری میں اسلام آباد میں انسٹی ٹیوٹ آف سٹریجیک سٹڈیز میں ہونے والے سیمینار بغوان ”ایشیا کی آواز برائے امن پروگرام، تعاون اور سلامتی“ سے خطاب کرتے ہوئے مشرف نے دعویٰ کیا کہ ”ہم یہ جنگ کسی کو خوش کرنے کی بجائے اپنی سلامتی کی خاطر لڑ رہے ہیں“

یہ بات روزِ روشن کی طرح عیاں ہو چکی ہے کہ پاکستانی معیشت کو امریکہ کی افغانستان میں جنگ کے بدله اربوں ڈالر کا نقصان پہنچا ہے۔ اس کے علاوہ امریکی افواج کو قبائلی مجاہدین کے ہاتھوں نقصان سے بچانے کے لیے پاکستانی افواج کے سینٹرلوں جوان اپنی جان گنوں پکے ہیں، جیسا کہ وزیرستان میں ہوا۔ ان معافی اور فوجی نقصانات کے علاوہ پاکستان کو بھارت کے مقابلہ میں سٹریجیک حیثیت سے بھی نقصان پہنچا ہے۔ اس سے قبل افغانستان کی حیثیت پاکستان کے ایک صوبے کی تھی۔ یہی وجہ تھی کہ پاکستان کی طرف سے وزیر خارجہ کی بجائے وزیر داخلمہ افغانستان کا دورہ کیا کرتا تھا اور افغان انتظامیہ اپنی پولیس کا نفلس کرنے کے لیے پشاور کی سر زمین استعمال کیا کرتی تھی۔ لیکن اب انٹیا وہاں پر اپنا دائرة اثر بڑھا چکا ہے۔ جولائی 2005 میں نی دہلی کے دورے کے دوران اسی بات کی تصدیق کرتے ہوئے اُس وقت کے افغان وزیر خارجہ عبداللہ عبد اللہ نے بتایا تھا کہ بھارت نے افغانستان کے لیے

ہیلی کا پڑوں اور فکسڈ ونگ طیاروں پر مشتمل ایک ائیر ونگ دے رہے ہیں تاکہ وہ سیکورٹی کو بہتر بناسکیں، فوری رد عمل ظاہر کریں اور زیادہ خنث گرفتاری کر سکیں۔“ تاہم اس وقت یہ مدد بھی کافی نہیں ہے اور امریکہ ایک بار پھر پاکستان کو مزید کچھ کرنے کے لیے زور ڈال رہا ہے۔

امریکہ فوجی اسلوب کے ساتھ ساتھ سیاسی اسلوب بھی اپنا چکا ہے لیکن اسے یہاں بھی ناکامی کا سامنا کرنا پڑا۔ سب سے پہلے امریکہ نے تاجک اکثریتی شیلی اتحاد کے تعاون کے ذریعے افغانستان کے حالات قابو کرنے کی کوشش کی۔ انہوں نے پشتونوں کو جنوب میں بننے والے پشتونوں سے اپنے آپ کو بچانے کے لیے استعمال کیا۔ اس کے بعد برطانیہ نے درانی پشتونوں کو دوسرے پشتونوں اور غیر پشتونوں کے خلاف استعمال کرنے کی کوشش کی۔ اس کے بعد کمیونٹ سوویت یونین نے سنٹرل ایشین قبائل، تاجک اور ازبک قبائل کو پشتونوں کے خلاف استعمال کرنے کی کوشش کی۔ سویت یونین کے افغانستان سے فوجی اخلاء کے بعد افغانستان مختلف قبائل کی غانہ جگلی کا شکار ہو گیا۔ تب پاکستان نے ایک پشتون حکومت کی حمایت کی۔ تاہم غیر پشتون عناصر نے اس چیز کو محظوظ کیا اور ان کے اندر سے قبائلی جذبات نہ نکل سکے۔ چنانچہ جب امریکہ نے افغانستان کے مسلمانوں کو بلا تخصیص نشانہ بنانے کا فیصلہ کیا تو اس نے اس قبائلی دشمنی کو استعمال کیا۔ اس نے غیر پشتون شامل اتحادی و فاداریاں خریدیں اور ان کی مدد سے وہاں پر قبضہ جمالیا۔ تاہم امریکہ بھی اس قبائلی دشمنی کے ہاتھوں مار کھائے گا اور افغانستان کے اندر ہمیشہ پھنساہی رہے گا۔

فوجی طور پر متعدد کردے گا۔ تباہی افغانستان میں اس طرح رچ گئی ہے کہ وہ بھی برطانیہ اور سوویت یونین کی طرح یہاں پرانے پاؤں جمانے میں ناکام رہے گا۔ کیونکہ امریکہ افغانستان کی بیادی فطرت کو بچان ہی نہیں سکا ہے۔ افغانستان ایک قبائلی معاشرہ ہے۔ ایک مقام پر یہ قبائلی اتنا شہ ہے لیکن اگر اس کو اگر صحیح طور پر استعمال نہ کیا جائے تو یہ افغانستان کو ناپائداریت کی طرف لے جاتی ہے۔ قبائلیت کا ثابت پہلو یہ ہے کہ یہ

روں جس کی وفاداریاں خریدنا چاہتا اس کو کماںڈ مرقرہ کر دیتا۔ ان کماںڈر زکواس کے بدالے اسلئے اور رقم کا فائدہ دیا جاتا اور اس کے ساتھ ساتھ ان کو پوسٹ کی کاشت کاری اور ہیر و ن کے کاروبار کی اجازت بھی دی جاتی تھی۔

نروی، نہ انگریز اور نہ ہی امریکی اس قبائلیت سے لکھنے والے مخفی اثرات کو ختم کر سکے۔ جس وجہ سے نہ ہی وہ ان میں خلافت کو ختم کر سکے اور نہ وفاداریوں کے تابدالے کو روک سکے اور نہ ہی وہ اس قبائلیت کے ثبت اثرات سے فائدہ اٹھا سکے۔ فارسی تھے اور انہوں نے شمال میں بننے والے پشتونوں کو جنوب میں بننے والے پشتونوں سے اپنے آپ کو بچانے کے لیے استعمال کیا۔ اس کے بعد برطانیہ نے درانی پشتونوں کو دوسرے پشتونوں اور غیر پشتونوں کے خلاف استعمال کرنے کی کوشش کی۔ منوہ میں تبدیل کر دیا تھا۔

ابن ہشام نے بیان کیا ہے کہ کس طرح یہ رب کے قبائل یہ جان گئے کہ اسلام میں وہ قوت ہے جو ان کے معاشرے میں بکھرے ہوئے قبائل کو یکجاں کر سکتا ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ خزر ج قبیلے کا ایک گروہ حج کے موسم میں مکہ آیا تو اس دوران رسول اللہ ﷺ کی ان سے پہلی بار ملاقات ہوئی۔ آپ نے انہیں اسلام کی دعوت دی، انہوں نے آپ کی دعوت پر لبیک کہا اور اسلام قبول کر لیا۔ مزید انہوں نے یہ کہا کہ ”ہم اپنے لوگوں (اویں اور خزر) کو چھوڑتے ہیں جو آپسی بغرض اور نفرت کے ذریعے بٹے ہوئے ہیں۔ شاید اللہ آپ کے ذریعے انہیں متکررے۔“ اگر ایسا ہوا تو آپ سے مضبوط کوئی شخص نہیں ہو گا۔“ اور وہ یہ جان گئے تھے کہ قبائلیت نے انہیں تقسیم کر کے آپسی نفرت اور بغرض میں ڈال دیا تھا جبکہ اسلام انہیں فوری طور پر متعدد کر دے گا۔

اس کے ساتھ ہی اسلام نے قبائلی ڈھانچے کے ثبت پہلو سے فائدہ اٹھایا جو یہ تھا کہ قبائل کے لوگوں کا آپس میں رشتہ نہیں تھا۔ چنانچہ جب بیعت عقیلی ثانی کے دوران آپ نے اہل قوت کو منظم کرنا چاہا تو آپ نے ان میں موجود سرداری ڈھانچے پر ہی انحصار کیا کیونکہ اس وقت لوگ اپنے سرداروں کے ساتھ ایک مضبوط رشتہ رکھتے تھے۔ لہذا بیعت کی

تیاری کے دوران رسول اللہ نے فرمایا: ”اپنے میں سے بارہ سرداروں کو میرے پاس لاو جو تم لوگوں کے امور کو چلاتے ہیں“

چنانچہ یہ اسلام ہی تھا جس نے آکر ان قبائل کو متعدد کر دیا۔ اس سے قبل یہ لوگ یہود یوں اور دوسرے قبائل کے مقابلے میں کمزور تھے کیونکہ یہ تقیم شدہ تھے۔ لیکن اسلام کے جھنڈے تلے آکر وہ متعدد اور مضبوط ہو گئے۔ اس کا ذکر قرآن میں ان الفاظ میں ملتا ہے:

﴿وَاعْتَصِمُوا بِحَبْلِ اللَّهِ جَمِيعًا وَلَا تَفْرُقُوهُا وَإِذْ كُرُوا يَغْمَتُ اللَّهُ عَلَيْكُمْ إِذْ كُنْتُمْ أَعْدَاءً فَالَّفَ بَيْنَ قُلُوبِكُمْ فَاصْبِحُوكُمْ بِعِمَّةٍ إِخْرَانًا وَكُنْتُمْ عَلَىٰ شَفَا حُفْرَةٍ مِّنَ النَّارِ فَانْقَذَكُمْ مِّنْهَا كَذَلِكَ يُبَيِّنُ اللَّهُ لَكُمْ أَيْنِهِ لَعْلَكُمْ تَهَشَّدُونَ﴾

”اللہ کی رسی کو سب مل کر مضبوطی سے تھام لواز مرتفعہ میں نہ پڑو اور اللہ تعالیٰ کی اس نعمت کو یاد کرو جب تم ایک دوسرے کے دشمن تھے تو اس نے تمہارے دلوں میں الفت ڈال دی، پس تم اس کی مہربانی سے بھائی بھائی ہو گئے اور تم آگ کے گڑھے کے کنارے پہنچ چکے تھے تو اس نے تمہیں بچالیا۔ اللہ تعالیٰ اسی طرح تمہارے لیے پانچ شانیاں بیان کرتا ہے تاکہ تم ہدایت پاؤ“ (آل عمران: 103)

اللہ تعالیٰ مزید ارشاد فرماتے ہیں:

﴿يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّا خَلَقْنَاكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ وَأُنْثَىٰ وَجَعَلْنَاكُمْ شُعُوبًا وَقَبَائِيلَ لِتَعَارَفُوا إِنَّ أَكْثَرَكُمْ عِنْدَ اللَّهِ أَنْقَذُكُمْ﴾

”اے لوگو! ہم نے تم سب کو ایک ہی مردو عورت سے پیدا کیا ہے اور تمہارے کنبے اور قبیلے بنادیے ہیں تاکہ تم آپس میں ایک دوسرے کو بچانو، اللہ کے نزدیک تم سب میں سے باعزت وہ ہے جو سب سے زیادہ تقویٰ والا ہے“ (الحجرات: 13)

یقیناً عرب کے قبائل کے لیے اسلام بول کرنے سے قبل تقویٰ کے نظریہ کو اختیار کرنا نہایت ہی مشکل تھا۔ لیکن رسول اللہ نے اس نظریے پر کوئی سمجھوتہ نہ کیا بلکہ قبائل کے آپس کے مقابلوں کو اسلام کے فائدے کے لیے استعمال کیا اور یوں وہ لوگ

تقویٰ میں برتری حاصل کرنے کے لیے مقابلہ کرنے لگے۔ چنانچہ وہ لوگ رسول اللہ سے اس آیت کی بات بار بار پوچھتے جس میں قبائل کے مقابلے میں تقویٰ کو فویقیت دی گئی تھی۔ چنانچہ رسول اللہ نے ان کی فکر کو جو سوں کیا اور برادر است جواب دیا۔ آپ نے ان سے پوچھا: ”کیا تم مجھ سے عرب کی نسل کے بارے میں پوچھتے ہو؟“ انہوں نے کہا ”ہاں“ آپ نے جواب دیا: ”جو تم میں زمانہ جاہلیت میں سب سے بُرا تھا وہ قبول اسلام کے بعد سب سے اچھا ہوا گا اگر وہ مذہب کے بارے میں سمجھ بوجھ رکھے“ اور یوں رسول اللہ نے قبائل مقابلے بازی کو تقویٰ میں سبقت لے جانے کے مقابلے میں تبدیل کر دیا۔

اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ ان رجحانات کو پس پشت ڈالنے کی بجائے ان کو برادر است خطاب کرنا چاہیے ورنہ ممکن ہے کہ یہ رجحانات خطرناک ثابت ہوں۔

ایک اور جگہ رسول اللہ نے ارشاد فرمایا: ”جو بھی قومیت کی طرف بلائے یا قومیت کے لیے لڑائیا تھی صرف اسلام ہی ایک صحیح راست ہے۔ اسلام نے لیے چراغ کے لوگوں کو ایک موثر قوم میں تبدیل کر دیا تھا پھر اُسی قوم نے بنی نوع انسان تک دعوت پہنچانے کا بیڑا اٹھایا۔ جہاں تک افغانستان کا تعلق ہے تو وہاں کے لوگوں کو اسلام سے دلی محبت ہے۔ یہ اسلام کا جذبہ ہی تھا کہ جس نے ان کو اس بات پر قبائل کیا کہ وہ انگریزوں، روسمیوں اور اب امریکیوں کے خلاف مژاحمت کریں اور یہ اسلام ہی ہے کہ جس نے انہیں اس بات پر قبائل کیا کہ وہ دنیا میں موجود دوسرے مسلمانوں کی فکر کریں۔ اور اگر ایک دفعہ افغانستان کی سرزی میں پر اسلام نافذ ہو گیا تو انشاء اللہ اسلامی ریاست ایک ایسی پالیسی کو فوری طور پر نافذ کرے گی کہ جو قبائل کے ان رجحانات کو آپس کی نفرت میں تبدیل کرنے کی بجائے انہیں اسلام کے جھنڈے تلنے اکٹھا کرتے ہوئے انہیں اسلام کے لیے ایک عظیم طاقت بنا دے گی۔ اور پھر یہی لوگ تقویٰ میں سبقت لے جانے کی کوشش کریں گے۔

”اے ایمان والو! تم میرے اور اپنے دشمن کو دوست مت بناو۔ تم ان کے ساتھ محبت کا اظہار کرتے ہو حالانکہ انہوں نے اس حق کا انکار کر دیا ہے جو تمہارے کھفروٰ بِمَا جَاءَكُمْ مِّنَ الْحَقِّ“

”اے ایمان والو! تم میرے اور اپنے دشمن کو دوست سے قبائل تقویٰ کے قبائل کے لیے اسلام بول کرنے سے قبل تقویٰ کے نظریہ کو اختیار کرنا نہایت ہی مشکل تھا۔ لیکن رسول اللہ نے اس نظریے پر کوئی سمجھوتہ نہ کیا بلکہ قبائل کے آپس کے مقابلوں کو اسلام کے فائدے کے لیے استعمال کیا اور یوں وہ لوگ

اس کے علاوہ اسلام نے قبائلیت سے نکلنے والے ایک اور رجحان کو بھی خطاب کیا ہے یہ غلط

رجحان یہ ہے کہ مسلمان دوسرے مسلمان کو واپسے اوپر بوجھ سمجھے۔ یہ ایک خطرناک رجحان ہے جو کہ اس وقت نہایت ہی مہمل ثابت ہو سکتا ہے جب غلاف دوسرے علاقوں کو واپسے اندر ضم کرے گی، جس کا آغاز دوسرے علاقوں کو واپسے اندر ضم کرے گی، جس کا آغاز اللہ کے حکم سے کسی بھی وقت اور کہیں سے بھی ہو سکتا ہے۔ اسلام ان احساسات کو مضبوطی سے قائم کرتا ہے کہ جس کے ذریعے ایک مسلمان صرف اسلام کی خاطر دوسرے مسلمانوں سے تعاون کرتا ہے اور مسلمانوں کے مقابلے میں کفار سے تعاون گناہ عظیم ہے۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

﴿وَتَعَاوَنُوا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوَىٰ وَلَا تَعَاوَنُوا عَلَى الْإِلْفَمِ وَالْعَدْوَانِ وَاتَّقُوا اللَّهَ إِنَّ اللَّهَ شَدِيدُ الْعِقَابِ﴾

”بینی اور پرہیزگاری میں ایک دوسرے کی مدد کرنے سے ڈرتے رہو، بے شک اللہ تعالیٰ سخت سزا دینے والا ہے“ (المائدہ: 2)

افغانستان کی خوشحالی اور اسے مستحکم کرنے کے لیے صرف اسلام ہی ایک صحیح راست ہے۔ اسلام نے یہ بھی قومیت کی طرف بلائے یا قومیت کے لیے لڑائیا تھی نہیں، اس کے علاوہ اسلام اس بات کی یقین دہانی کرتا ہے کہ مسلمان کی وفاداری صرف اور صرف اسلام کے ساتھ ہوئی چاہیے نہ کہ کفار کے ساتھ۔ یہی وجہ تھی کہ افغانستان کے اندر اس رجحان کے غلط ہونے کی وجہ سے کفار کے فوائد کے لیے مسلمانوں نے غداری کی، جس نے بعد میں افغانستان پر نہایت ہی مہمل اثرات چھوڑے۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَحَدُّوْ عَدُوَّيْ وَعَدُوَّكُمْ أَوْلَيَاءُ تُلْقُونَ إِلَيْهِمْ بِالْمُؤْدَدِةِ وَقَدْ كَفَرُوا بِمَا جَاءَكُمْ مِّنَ الْحَقِّ﴾

”اے ایمان والو! تم میرے اور اپنے دشمن کو دوست سے قبائل تقویٰ کے قبائل کے لیے اسلام بول کرنے سے قبل تقویٰ کے نظریہ کو اختیار کرنا نہایت ہی مشکل تھا۔ لیکن رسول اللہ نے اس نظریے پر کوئی سمجھوتہ نہ کیا بلکہ قبائل کے آپس کے مقابلوں کو اسلام کے فائدے کے لیے استعمال کیا اور یوں وہ لوگ

‘امر بالمعروف اور نهى عن المنكر’ کا اسلامی حکم اور اس کا صحیح دائرہ کار

میری جان ہے تم ضرور بالضرور امر بالمعروف اور نهى عن المنکر کرو گے ورنہ اس بات کا خوف ہے کہ اللہ تعالیٰ تم اپنی طرف سے ایک عذاب بخیج دے، پھر تم دعا کئیں مانگو گے تین تمہاری دعا کیں قبول نہیں ہوں گی۔“ (احمد، ترمذی)

فرد کے بارے میں احکامات:

آپ ﷺ نے فرمایا: (من رای منکم منکرا فلیغیرہ بیدہ، فان لم يستطع فبلسانه، فان لم يستطع فقبلہ، وذلک اضعف الامان) (صحیح مسلم کتاب الایمان) ”جب تم میں سے کوئی کسی منکر کو ہوتا دیکھے تو اسے ہاتھ سے روکے اور اگر اس کی استطاعت نہ ہو تو زبان سے روکے اور اس کی بھی استطاعت نہ ہو تو اسے دل میں بُر احادیث میں وارد ہوئے ہیں۔ شریعت فرد، گروہ (سیاسی پارٹی)، قوم (امت) اور ریاست سے متعلق احکامات دیتی ہے۔ گوک اسلام نے ان تمام پر امام ر بالمعروف و نهى عن المنکر کو فرض قرار دیا ہے لیکن ان کا دائرہ کار اور طریقہ کار ایک دوسرے سے مختلف ہے۔

ان مختلف طریقوں اور دائروں کو درست انداز میں سمجھنے کی بنا پر مسائل جنم لیتے ہیں۔ آج بے پلہ، ہم ان تمام شریع دلائل کا جائزہ لیں جو فرد، گروہ، قوم اور ریاست پر امام ر بالمعروف و نهى عن المنکر کو فرض کرتے ہیں اور پھر فرد، گروہ، قوم اور ریاست کے نبی عن المنکر کے طریقہ کار اور دائرہ کار کا بھی نقصیٰ جائزہ لیں تاکہ یہ جان سکیں کہ کم منکرات کو رد کتا فرود کی ذمہ داری ہے اور کوئی سے منکرات روکناریاست کے ذمے آتا ہے۔ نیز اس بات کا بھی جائزہ لیں کیا جھوٹے جھوٹے گروہ بنا کر برائیوں کو بزور شمشیر روکنے کی اسلام اجازت دیتا ہے یا نہیں۔

امر بالمعروف و نهى عن المنکر کی فرضیت کے

تاتم ایک عام آدی اس معاملے میں تذبذب کا شکار ہے کہ اس معاملے میں اللہ کا حکم کیا ہے؟ کیونکہ ہر حال یہ سب جانتے ہیں کہ اسلام مسلمانوں کو امر بالمعروف اور نهى عن المنکر کرنے کا حکم دیتا ہے لیکن اس بارے میں کتفیوں میں موجود ہے کہ ایک فرد یا گروہ ان منکرات کو بزور بازو کیونکہ روک سکتا ہے۔ اس لیے یہ امر نہایت ضروری ہے کہ اس معاملے میں کوواخ اور مدلل انداز میں بیان کیا جائے تاکہ امت درست طریقہ سے ان برائیوں کا سد باب کرنے کے لئے متاخر ہو سکتے۔

اللہ تعالیٰ نے امر بالمعروف و نهى عن المنکر سے متعلق کی احکامات دیے ہیں جو قرآنی آیات اور احادیث میں وارد ہوئے ہیں۔ شریعت فرد، گروہ (سیاسی پارٹی)، قوم (امت) اور ریاست سے متعلق احکامات دیتی ہے۔ گوک اسلام نے ان تمام پر امام ر بالمعروف و نهى عن المنکر کو فرض قرار دیا ہے لیکن ان کا دائرہ کار اور طریقہ کار ایک دوسرے سے مختلف ہے۔

ان مختلف طریقوں اور دائروں کو درست انداز میں سمجھنے کی بنا پر مسائل جنم لیتے ہیں۔ آج بے پلہ، ہم ان تمام شریع دلائل کا جائزہ لیں جو فرد، گروہ، قوم اور ریاست پر امام ر بالمعروف و نهى عن المنکر کو فرض کرتے ہیں اور پھر فرد، گروہ، قوم اور ریاست کے نبی عن المنکر کے طریقہ کار اور دائرہ کار کا بھی نقصیٰ جائزہ لیں تاکہ یہ جان سکیں کہ کم منکرات کو رد کتا فرود کی ذمہ داری ہے اور کوئی سے منکرات روکناریاست کے ذمے آتا ہے۔ نیز اس بات کا بھی جائزہ لیں کیا جھوٹے جھوٹے گروہ بنا کر برائیوں کو بزور شمشیر روکنے کی اسلام اجازت دیتا ہے یا نہیں۔

امر بالمعروف و نهى عن المنکر کی فرضیت کے

دلائل:

اسلامی معاشرہ امر بالمعروف و نهى عن المنکر ہی کی بنیاد پر ایک صاف، پاک صاف اور محفوظ معاشرہ بنتا ہے۔ یہاں مغرب کی طرح لوگ کسی کو برائی کرتے ہوئے دیکھ کر منہ وسری طرف نہیں پھیر لیتے بلکہ آج بھی جماعتیں میں ایسے لوگوں کی ایک خاطر خواہ تعداد موجود ہے جوکم ازم برائی کو برائی قرار دیتے ہیں اور اس کے خلاف کلمہ حق بلند کرتے ہیں۔ اسی وجہ سے شریا لوگ بھی کھلکھل برائی کرتے ہوئے گھبراتے ہیں جیسا کہ ہم شراب نوش اور زنا جیسی فیض رائیوں کے مصنف میں دیکھتے ہیں۔ آپ ﷺ نے امن بالمعروف اور نهى عن المنکر جیسے فرض کی اہمیت کو اجاگر کرتے ہوئے فرمایا: (والذی نفسی بیدہ لشامون بالمعروف و لشنهون عن المنکر، او لیوشکن اللہ ان یبعث علیکم عقباً منه ثم تدعونه فلا یستجاب لكم) ”اس ذات کی قسم جس کے قضیے میں

عمران یوسف زئی

imran.yousafzai@yahoo.com

آج پاکستان میں بعض افراد اور گروہ میراٹن ریس کو ڈنڈے کے زور پر رونکنے کی کوشش کرتے ہیں تو بعض دیگر بدکاری کے اڈے اور وڈیو کی دوکانیں زبردستی بند کرواٹے ہیں۔ یا پھر اپنے مطالبات منوانے کے لئے پولیس الکاروں کو غواہ کرتے ہیں۔ ایسے واقعات درحقیقت اس فرشتہ اور غصے کا نتیجہ ہیں جو مشرف حکومت نے گزشتہ سات سالوں کے دوران اپنے غیر شرعی اقدامات کے ذریعے عوام میں بیدا کیا ہے۔ اور یہ گروہ ان غیر شرعی اقدامات کا واپسی اپنی سمجھ کے مطابق رونکنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ یہ بات ہر شخص جانتا ہے کہ مشرف حکومت سے پہلے حکمرانوں نے بھی اسلام دشمنی اور پاکستان سے غداری کے سیاہ باب قم کئے، تاہم مشرف اس معاملے میں سب کو بچھے چھوڑ کے ہیں۔ حکمرانی پر قبضہ کرتے ہی اس نے اپنی سیکولر طبیعت کے بر ملا اظہار تکلیف کتوں کے ساتھ تصویریں ہنچا کیں اور سیکولر صطفیٰ کمال پاشا کو اپنا آئینہ مل قرار دیا۔ اس نے اسلام کے خلاف امریکی جنگ میں فرشتہ لائن اتحادی ہونے کا اعلان کیا اور مخالفت کرنے والوں کو نائلی جنگ ایجنیوں کے ذریعے اٹھوا کر غائب کر دیا۔ مشرف حکومت نے امریکہ کو اس بات کی اجازت دی کہ وہ پاکستان کی فضائی حدود سے افغانستان میں 57,800 سے زائد جنگی طور پر کریں، جس کے نتیجے میں 80,000 اسلامی مشرف کی انتقام رکھنے کے مقدار سے محبت کی بھیث چڑھ کر شہید ہوئے۔

نصاب کو سیکولر بینیادوں پر استوار کیا۔ ایسی سانکندانوں کو گرفتار اور ایسی پروگرام کو امریکی پلان کے مطابق نئے سرے سے تربیب دیا۔ کشمیر بیچنے پاپی رضا مندی کا اظہار کیا۔ اسی طرح مشرف حکومت نے عویشت میں تباہ کن سرمایہ دارانہ پالیسیوں کے ذریعے دولت کے چند احتکوں میں جمع ہونے اور عوامی اٹاٹھ جات کی لوٹ مار پرائیوریٹیزیشن کو اقتصادی ترقی کا نام دیا۔ نیتاچا ایک جانب غریب بھوک و افلس کے گڑھے میں گر کر اپنے جگہ گوشوں کو بچھے اور خود کشیوں پر مجبور ہوئے، دوسرا جانب ملک مل طر پر استمارکی گرفت میں چلا گیا۔ اسی طرح میڈیا کو فاشی و عربی کا کھلا لائسنس دیا گیا جس کے باعث تمام والدین اپنے بچوں کے مستقبل کیلئے سخت اضطراب کا شکار ہیں اور امانت کا غصہ اپنی آخری حدود کو چھوٹنے لگا ہے۔ ان عکسیں، ہولناک، اور خطرناک حالات کو دیکھتے ہوئے یہ کوئی اچھے کی بات نہیں کہ بعض لوگ بزور شمشیر سے ان برائیوں کو روکنے کی کوشش کریں۔

میں اس منظہم گروہ کا کام ان حکمرانوں کا مجاہد کرنا اور امت میں اسلام کے نفاذ کے لئے رائے عامہ برقرار رکھنا ہوگا۔

قوم یا امت کے بارے میں احکامات:

اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے مسلمانوں کو بخششیت امت بھی منکرات کو روکنے اور معروف کا حکم دینے کا حکم دیا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿كُتُّمْ خَيْرٌ أُمَّةٍ أُخْرَجُتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَتَقْوُمُونَ بِاللَّهِ﴾ (آل عمران: 110)

سب امتوں سے بہتر ہو جو انسانوں کے لیے بھیجے گئے ہو، اپنے کاموں کا حکم دیتے ہو اور برے کاموں سے منع کرتے ہو اور تم اللہ تعالیٰ پر ایمان رکھتے ہو۔ نیز آپ ﷺ نے فرمایا: (ما من قوم یعمل فیهم بالمعاصی، ثم یقدرون على ان یغیروا، الا یوشک ان یعهم الله منه بعکاب) ”کوئی قوم جس کے بیان گناہ کے جاتے ہوں پھر وہ ان کنہا ہوں کو روکنے کی قدرت بھی رکھتی ہو تو قریبے عین ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کو عام عذاب میں بٹلا کر دیں۔ آپ ﷺ نے مزید فرمایا: (ان الله لا يعذب العامة بعمل الخاصة، حتى یروا المنکر بين ظهر ایہم و هم قادر ون على ان ینکروه فلا ينكروه، فإذا فعلوا ذلك عذب الخاصه و العامة) ”الله تعالیٰ عام لوگوں کو خاص لوگوں کے عمل کے باعث عذاب میں بٹانہیں کریں گے سوائے اس کے کہ وہ اپنے ممکنہ ہوتا دیکھیں اور اس کو روکنے پر قادر ہوں پھر بھی اس کو نہ روکیں۔ تو اگر وہ لوگ ایسا کریں گے تو پھر عام اور خاص دونوں طرح کے لوگوں پر عذاب نازل ہوگا۔“ لہذا اللہ تعالیٰ نے مسلم امت پر یہ مجموعی طور پر فرض قرار دیا ہے کہ وہ اپنے درمیان ہونے والے منکرات کا سد باب کریں جس کی عملی صورت ایک ریاست کے قیام کے ذریعہ ہوئی ہے۔

ریاست کے بارے میں احکامات:

اللہ تعالیٰ نے ریاست کی ذمہ داری میں اولین فرض برائی کو روکنے اور حق بات کو نافذ کرنا فرمان دیا۔ اہل اقتدار کے بارے میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: ﴿الَّذِينَ إِنْ مَكَّهُمْ فِي الْأَرْضِ أَقَمُوا الصَّلَاةَ وَأَنَّوْا الرَّسْكَوَةَ وَأَمْرُوا بِالْمَعْرُوفِ وَنَهَوْا عَنِ الْمُنْكَرِ وَلَلَّهُ عَلِيقَةُ الْأُمُورِ﴾ (الحج: 41)

”یہ وہ لوگ ہیں کہ جنہیں ہم زمین میں اقتدار بخشیں تو وہ قائم کرتے ہیں نہ مازوں دیتے ہیں زکوٰۃ، اور حکم کرتے ہیں نیکی کا اور منع کرتے ہیں براٰتی سے۔ اور اللہ ہی کے باطھ میں سب کاموں کا انجام اسلامی ریاست میں حکم عوام کا دیجھ بھال کرنے کا ذمہ دار ہے جیسا کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: (الامام راع و هو مسؤول عن رعيته...) (امام (غایفہ))

راعی ہے اور اسی سے اس کی رعیت کے بارے میں پوچھ ہوگی۔ چنانچہ اسلام یہ ذمہ داری ہے کہ ان پڑوؤالی ہے کہ وہ اس بات کا خیال رکھے کہ اس کی رعیت میں تمام افراد اور گروہ اسلامی اور امریکی باس داری کر رہے ہیں اور تمام برائیوں سے اختیاب کر رہے ہیں۔ اس ممکن میں اگر اسے زبردست بھی کرنے پڑے تو شریعت اسے ایسا کرنا کا حکم دیتی ہے۔ چنانچہ ریاست ہی نیکی کا حکم دیتے ہیں اور برائی کو روکنے کا اولین اختیار اور طاقت رکھتی ہے۔

فرمودہ، قوم اور ریاست کا نبی عن المکر کا دائرہ کارنے کرنا ہوتا ہے جو کفر کی پشت پناہی کر رہا ہوتا ہے جس کی استطاعت فرد و احمد نہیں رکھتا۔ باہ البتہ اس پر زبان سے اسر بالمعروف و نبی عن المکر کی ذمہ داری بدستور عائدہ رکھتی ہے اس ممکن میں اسے منکرات کو روکنے کے لئے حکمرانوں کو ابھارنا اور ان کی عدم توجیہ کی صورت میں حکمرانوں کو تبدیل کرنے کی تحریک میں شامل ہو کر اپنا فرض پورا کرنا ہوتا ہے۔

قسم یا امت کا منکرات قائم کرنے کا دائرہ کار: اگر کوئی بھی قوم اپنے ارادے کو کسی بھی منکر کو ختم کرنے کے لئے پر مجتع کر لے تو پھر وہ من جیٹا قوم اسے ختم کرنے کی استطاعت حاصل کر لیتی ہے۔ یعنی اس میں موجود سب سے زیادہ طاقوٰر قطفہ منکر ہو جائے تب وہ معاشرے میں موجود کسی بھی منکر کو ختم کرنے کی صلاحیت حاصل کر لیتا ہے۔ اس کی مثال فون یا قبائلی معاشرے میں سب سے بڑا اور طاقتور قبیلہ ہوتا ہے۔ لہذا علیٰ طور پر ممکن نہیں کہ امت ہر منکر کے لئے فراہدوا کشی ہو اور اسے ختم کرنے کے لئے وسائل اور ارادے کو مجتع کرے۔ بلکہ اسے باطل نظام کو ختم کرنے کے لئے اپنی طاقت کو مجتع کرنا ہو گا جو ان تمام منکرات کا مطالقاً حکمنہیں دیا گی بلکہ اس کو استطاعت کے ساتھ مشروط کر دیا گی۔ یعنی ہر وہ منکر جسے بزرگ ختم کرنے پر سامنے آیا تھا اس کو استطاعت کے ساتھ مقدم کیا گیا ہے۔ ایک فرد اور اس کے بزرگ طاقت ایضاً ممکن نہیں، اس کے بزرگ طاقت نبی عن المکر کرنے کے لئے کارے کا شر کار سے باہر ہو جاتا ہے۔ البتہ وہ اس کے خلاف کلمت ملندا کرنے کا ایک ازکم دل میں بر جائے کام مکلف ضرور ہے۔ مثلاً ایک فرد افغانی طور پر لک میں جاری فاشی، سودی نظام، بلکہ امور میں امریکی عملی دش اور افغانستان میں حکومتی غداری جیسے منکرات نہیں روک سکتا کیونکہ فرد ہونے کے ناطے یہ تمام اقدامات اس کے دائرہ کار سے باہر ہیں۔ اسی طرح وہ تمام منکرات جس کی اجازت خود ریاست فراہم کرتی ہے اور جو قانونی طور پر جائز و حلال ہیں انہیں بھی ایک فرد وہاں کے ساتھ روک دے گی۔ یعنی علیٰ طور پر اس منکر کو شرعاً سے ختم کرنے کی الیت ایک فرد کے پاس موجود نہیں ہے۔ جبکہ دوسری طرف چوری، ڈاک شراب نوشی، اوقاً مقلیٰ یا زانا بالجرم وغیرہ وہ تمام منکرات میں جنہیں موجود ریاستی قانون بھی جرم سمجھتا ہے اور ایسے ممکن نہیں کا مدد پاب، سودی کاروبار ہو یا مغربی ثقافتی یلغار ان جیسے تمام منکرات کا ریاست مخصوص یہی جنہیں قسم خاتمه کرتی ہے۔ اور اس میں رکاوٹ، اٹانے والوں کو یا میتی میثیزی طاقت سے روکتی ہے۔ لہذا ریاست کی رٹ اسلام کے نفاذ کے لئے ہوتی ہے کہ کفر کے نفاذ اور استمرار کے مقابلہ کو حاصل کرنے کے لئے چنانچہ علیٰ طور پر امر بالمعروف اور نبی عن المکر کی ذمہ داری ریاست کی ہوئی ہے جو اسلامی احکامات کے نفاذ کے ذریعے عوام سے فرائض پورے کرواتی ہے اور حرام سے روکتی ہے۔

منظہم گروہ یا یاریٰ کا نبی عن المکر کا دائرہ کار: ایک منظہم گروہ یا یاریٰ کس طرح نبی عن المکر کرے اس پارے میں امت میں عمومی طور پر اہمابام اور غلط طقی بھی پائی جاتی ہے۔ اس کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ فرد کے پارے میں وارد شدہ حدیث (جس کا ذکر ہم اپر کر چکے ہیں) کا اطلاق گروہ پر کر دیا جاتا ہے۔ آئے اس حدیث کا ایک بار پھر جائزہ ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: آپ ﷺ نے فرمایا: (من رای منکر منکرا فلیغیرہ بیدہ، فان لم یستطع فبلسانہ، فان لم یستطع قبلہ، و ذلك

فر، گروہ، قوم اور ریاست کا نبی عن المکر کا دائرہ کار: مذکورہ بالا بحث کا حاصل یہ ہے کہ امر بالمعروف کرنا اور منکرات سے روکنا فرما، امت اور ریاست پر فرض ہے کے ضمن میں فردو، گروہ، امت اور ریاست پر فرض ہے کے لئے حکمرانوں کو بغیر کسی اختیار کیا تے کہ ہم بیخیر کسی نیوزیلانڈ کے اسلام کے احکامات پر چل سکیں۔

فرمودہ، قوم اور ریاست مختصر استطاعت کے حامل ہیں اور ان تمام کے نبی عن المکر کے طریقہ کار اور دائرہ کار میں بھی اختلاف پایا جاتا ہے۔ آپ ﷺ نے یہ فرمایا کہ ”جب تم میں سے لوگی کسی منکر کو ہوتا دیکھتے تو اسے باطھ سے روکے اور اگر اس کی استطاعت ہو تو زبان سے روکے اور اس کی صلاحیت حاصل کر لیتا ہے“، فرمادی کے نتیجے میں موجود کسی بھی منکر کو ختم کرنے کے لئے فرداً فرداً کشی ہو اور اسے ختم کرنے کے لئے اور اس کی صلاحیت حاصل کر لیتا ہے۔ اس کے مثال فون یا قبائلی معاشرے میں سب سے بڑا اور طاقتور قبیلہ ہوتا ہے۔ لہذا علیٰ طور پر ممکن نہیں کہ امت ہر منکر کے لئے فراہدوا کشی ہو اور اسے ختم کرنے کے لئے وسائل اور ارادے کو مجتع کرے۔ بلکہ اسے باطل نظام کو ختم کرنے کے لئے اپنی طاقت کو مجتع کرنا ہے۔

فرمودہ، قوم اور ریاست مختصر استطاعت کے حامل ہیں اور ان تمام کے نبی عن المکر کے طریقہ کار اور دائرہ کار میں بھی اختلاف پایا جاتا ہے۔ آپ ﷺ نے یہ فرمایا کہ ”جب تم میں سے لوگی کسی منکر کو ہوتا دیکھتے تو اسے باطھ سے روکے اور اس کی صلاحیت حاصل کر لیتا ہے“، فرمادی کے نتیجے میں موجود کسی بھی منکر کو ختم کرنے کے لئے فرداً فرداً کشی ہو اور اسے ختم کرنے کے لئے اور اس کی صلاحیت حاصل کر لیتا ہے۔ اس کے مثال فون یا قبائلی معاشرے میں سب سے بڑا اور طاقتور قبیلہ ہوتا ہے۔ لہذا علیٰ طور پر ممکن نہیں کہ امت ہر منکر کے لئے فراہدوا کشی ہو اور اسے ختم کرنے کے لئے وسائل اور ارادے کو مجتع کرے۔ بلکہ اسے باطل نظام کو ختم کرنے کے لئے اپنی طاقت کو مجتع کرنا ہے۔

اضعف الایمان (صحیح مسلم) ”جب تم میں کے کوئی کسی ملک کو ہوتا دیکھے تو اسے ہاتھ سے روکے اور اگر اس کی استطاعت نہ ہو تو زبان سے روکے اور اس کی بھی اس طباعت نہ ہو تو اسے دل میں برا جانے اور یہ ایمان کا سب سے نچلا وجہ ہے۔“ حدیث کے الفاظ کا بغور جائزہ لینے پر یہ بات واضح طور پر ثابت ہوتی ہے کہ یہ حدیث فرد پر لا ہوئی ہے اور اس کا اطلاق گروہ یا ریاست پر نہیں ہوتا۔ کیونکہ حدیث کے الفاظ (من رای منکم) ”تم میں سے کوئی دیکھے“ ایک فرد کے لئے استعمال ہوئے ہیں اور اس میں واحد کا صیغہ (رای) استعمال ہوا ہے نہ کہ جمع کا صیغہ (رأیت) ”تم لوگ دیکھو“۔ نیز اس حدیث کا اطلاق ریاست پر کہی شہیں کیا جاسکتا ہے اپنے کے ارشاد کا حکم ایک فرد ہے جس کے استطاعت رکھنے پاہ رکھنے کو بیان کیا گیا ہے۔ علاوہ ازیں آپ ﷺ نے یہ بھی شہیں فرمایا کہ اگر ایک شخص از خود استطاعت نہ کھٹا ہو تو وہ ایک منظوم گروہ ہے ایک ایک کر کے ان منکرات کے خلاف چدو جد شروع کر دے۔ پاہ البتہ آپ ﷺ نے اسے اس منکر کے خلاف کلم حق بلند کرنے کا حکم ضرور دیا تاکہ اس منکر کے ذمہ دار کے خلاف عوامی رائے عامہ بیدار اور یا سی طاقت متحکم کی جاسکے۔ چنانچہ اس حدیث کو بنیاد بنا کر ایسے گروہ بناتا جن کا مقصد فرداً فرداً منکرات کو بزور شیش ختم کرنا ہو ساہر غلطی پر بنتی ہے۔ آپ ﷺ سے کوئی ایسی حدیث متوسل نہیں ہوئی جس میں آپ ﷺ نے مسلمانوں کو منکرات سے روکنے کے لئے گروہ سازی کا حکم دیا ہوئہ ہے آپ ﷺ کے تیرہ سالہ کی اور دس سالہ مدنی دور میں ریاست سے مادراء کوئی ایسے گروہ بنانے کی ترغیب یادیں ملتی ہے۔ چنانچہ چور کے ہاتھ کاٹنا، قاتل کو قتل کرنا، زانی کو سنگار کرنا یا سرماں کو دوڑے لگانا غیرہ تمام سزا نہیں ایک فرداً جو گروہ کے دائرہ اختیار سے باہر ہیں۔ اسی طرح زکاۃ اکھنی کرنا، عوام سے صوم و صلوٰۃ کی پابندی کروانا وغیرہ یعنی معروف بھی محض ریاست عملانہ نافذ رکھتی ہے عوام اور گروہ محض اس کے لئے زبانی عوام کو باہر رکھتے ہیں یا ریاستی کو تباہی کی صورت میں اس کا محاسبہ تو کر سکتے ہیں لیکن اسے از خود مملا نافذ نہیں کر سکتے۔

منظوم گروہ بنانے کا رکھنے کی وکش کرنا اس لئے بھی درست نہیں کیونکہ ایسا کرنے سے عوام منکرات کی بیاد یعنی نظام کو تارک کرنے کی بجائے فروعی منکرات کو دور کرنے میں الچھ کر رہ جاتے ہیں۔ مثلاً جوئے کے اؤے بند کروانے، سیناء گھر پر تالے گوانے وغیرہ میں عوامی طاقت صرف ہونے لگتی ہے جو منکرات کے حقیقی سدباب کی منزل، یعنی نظام کی تبدیلی، کو مزید دور دھکل دیتا ہے۔ چنانچہ اگر ایک گروہ جو محض و ڈیوشنروں کو شانہ بنائے جکہ ایسا کرنے سے پورے ملک میں ویٹ پوسنگ کا کاروبار کا نوبی طور پر بدستور چلتا رہے تو اسے منکرات کا خاتمہ نہیں کیا جاسکتا، پس بدستور چلتا رہے تو اسے منکرات کا خاتمہ نہیں کر سکتے، البتہ ایسا کرنے سے یہ لوگ اپنام و غصہ تو ضرور ہاکا کر سکتے ہیں لیکن مسائل کا صحیح حل پیش نہیں کر سکتے۔ نہ ہی ایسا کرنے سے منکرات حقیقی معنوں میں ختم ہوتے ہیں۔ اس کی ایک مثال ہے جو کسی سارے ملک میں مخلوط میرا تھن کی شکل میں دیکھی جہاں چند گروہوں نے اسے ڈنڈے سے روکنے کی کوشش کی تھی، نظام چونکہ اس قسم کی ریسوں کو صحیح آزادی کی

لاؤ اور مجھے نصرت (مد)“۔

یہ مدینہ کے اوں وغیرج کے قائل کے چند افراد کی تھجھوں نے پہلے پہل اس دعوت کو قبول کیا۔ پھر مصعب ان عیّر نے ایک سال کے اندر اندر مدعیے کا نقشہ ہی بدبل کر رکھ دیا اور سعد بن عبادہ اور سعد بن معاذ جیسے دیگر سرداروں نے آپ پر ایمان لانے کے ساتھ ساتھ اپ کو قریش اور تمام عرب کے غافل نصرت و مدد فرم کرنے کا فیصلہ بھی کیا۔ آج اسی وجہ سے نہ اوس وغیرج کو انصار کہتے ہیں۔ اس نصرت کے بعد یکی اسلامی ریاست قائم ہوئی جس نے مدینہ میں عدوں نافذ نہیں کیں اور مکرات کا خاتمہ کیا۔ نیز اسی ریاست نے اسلامی دعوت کو پوری دنیا تک پھیلانے کی شروعات کی اور کچھ ہی عرصے میں کچھ کے وہی بہت جن کوکی دور میں آپ نے ہاتھ تک نہ لگایا تھا فیض مکہ کے موقعہ پر آپ کی چھڑی کے ایک اشارے سے زمیں بوں ہوئے۔ یہے منکرات ختم کرنے کا پائیارہ اور مکمل طریقہ جو ہمیں آپ ﷺ کی سیرت مطہرہ سے ملتا ہے۔ یہ سب اس اسلامی ریاست کی بدولت مکن ہو سکا جو اپنی اخخاری اور رث قسط اسلام اور اللہ کی رضا کے لئے استعمال کرتی تھی۔

چنانچہ معلوم ہوا کہ ایک منظم گروہ کا امر بالمعروف و نبی عن المُنْكَر کا طریقہ اور دائرہ کار فرد، امت اور ریاست سے مختلف ہے۔ لہذا اگر کوہ کا امر بالمعروف و نبی عن المُنْكَر کا طریقہ کاری یہ نہیں کہ وہ چھوٹے چھوٹے منکرات کو ہاتھ سے روکنے کے لئے مظہم ہو گلہ اس کی ذمہ داری عوام کو اپنے افکار سے قائل کرتے ہوئے ایک گلہ کی چدو جدہ کے ذریعے متحرک کرنا اور ان میں موجود طاقتور عناصر کو اپنے ساتھ جوڑنے کے لئے نصرت طلب کرنا ہے تاکہ ان کی مدد سے کفر یہ نظام جس سے اکھاڑ کا اسلامی نظام حکومت یعنی خلاف قائم کی جاسکے۔ لہذا اگر کوہ کا امر بالمعروف و نبی عن المُنْكَر کا طریقہ کاری عکسری نہیں ہو سکتا کونکہ نظام بدلنے کے نبی مجتبی میں ہتھیار اٹھانے کی کوئی بخاش نہیں ہے جیسا کہ ہم نے سیرہ سالہ کی دور میں مشاہدہ کیا۔ چنانچہ گروہ کا اصل کام امت کے ذریعے ایک ریاست کا قائم ہوتا ہے کہ جو امت کے تمام تر مسائل کو ہوئے کار لاتے ہوئے عملی طور پر امر بالمعروف و نبی عن المُنْکَر کر سکے۔ لیکن اگر خلافت پہلے ہی سیاست آپ ﷺ کلم حق پرستور بلند کرتے رہے اور معاشرے اور ان میں موجود ہوا اسلامی نظام نافذ ہو تو اسی صورت میں منظم گروہ (یعنی سیاہ پارٹی) کی ذمہ داری یکھر انوں کا مجاہد کرنا اور اسے اسلام پر کار بند رکھنے کے لئے امت میں اسلامی افکار اور اسلامی نظام کے لئے رائے عامہ برقرار رکھنا ہوتا ہے۔

چنانچہ وہ تمام لوگ جو مشرف حکومت کے پھیلائے گئے منکرات کے خاتمے کے لئے عملی چدو جدہ کرنا چاہتے ہیں ان پر یہ فرض عائد ہوتا ہے کہ وہ ایسے گردہ کا حصہ نہیں جو شریعت کے باتے ہوئے طریقہ کار پر چل کر اسلامی ریاست یا خلافت قائم کرنا چاہتا ہے جس کے ذریعے ہی درحقیقت تمام منکرات کا خاتمہ ممکن ہے۔

شرعی دلائل کی روشنی میں خلافت اور جمہوریت کا مقابلی جائزہ

سرداروں کا وہ مشورہ کس کو یاد نہیں جس میں انہوں نے اس معاملے پر شوریٰ بٹھائی تھی کہ رسول اللہ ﷺ کو اکاہن کہا جائے، مجنون کہا جائے یا پورے عرب میں ساحر کے طور پر مشہور کیا جائے؟ یا یہ کہ رسول اللہ ﷺ کو کس طرح قتل کیا جائے؟ لہذا اگر حکمرانی کے تمام فیصلے شوریٰ ہی کی بنیاد پر ہوتے ہیں تو پھر اسلامی نظام اور دارالندوی کے کفریہ نظام میں کوئی فرق نہیں رہ جائیگا (نحوہ باللہ)۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اسلامی نظام حکومت میں مشورے کی سرے سے کوئی گنجائش ہی نہیں۔ درحقیقت اسلام مشورے کو چند مبارح معاملات تک محدود کر دیتا ہے جبکہ قوانین کی اکثریت جن کا تعلق معاشرے کی معاشی، حکومتی، تعلیمی، عدالتی اور شفافیتی قسم سے ہے یا فرد کی ذاتی زندگی کی اصلاح سے ہے، خلینہ بغیر کسی اکثریت والقیت کی رائے کو لحوظ رکھتے ہوئے محض قرآن و سنت سے اخذ کر کے من و عن نافذ کرتا ہے۔

اسلام ہمیں اگر زندگی کے کھانے پینے، طہارت اور لباس جیسے نبیتاً کم اہم احکامات کے متعلق واضح اور تفصیلی احکامات دیتا ہے تو پھر حکومت، معاش اور عدالت جیسے معاشرے کے لئے نبیتاً زیادہ اہم امور پر کیسے خاموش رہ سکتا ہے؟ حقیقت بھی یہی ہے کہ اسلام ہمیں ایک بھمی یا غیر واضح نظام حکومت نہیں دیتا کہ جسے "شوریٰ نظام" کا لیبل لگا کر کسی بھی نظام سے نتھی کر دیا جائے۔ بلکہ رسول اللہ ﷺ ایک منفرد نظام حکومت دے کر مجموعت کے لئے تھے جو آمریت، بادشاہت، جمہوریت الغرض دیگر تمام نظام ہائے حکومت سے مختلف و مفرد ہے۔

یہاں سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اگر 1300 سال تک مسلمان فقہاء اور مفکرین نے کہیں بھی اسلام کو جمہوریت نہیں سمجھا تو پھر مغرب جمہوریت کے ان کفریہ افکار کو مسلمانوں کے ممالک میں وکھلیے میں

نظام دے کر مجموعت فرمایا تھا اور اسی کی اباقع مسلمانوں پر فرض قرار دی تھی۔ یہاں تک کہ دیگر انبیاء کی شریعت بھی اسلام کے آنے کے بعد منسوخ ہو گئی۔ نیز مسلمانوں کو ان مذاہب سے زندگی گزارنے کے متعلق قوانین سے کچھ بھی اخذ کرنے سے روک دیا گیا۔ ایک دفعاً آپ ﷺ نے حضرت عمر کو تورات میں زنا سے متعلق حکم تلاش کرتے ہوئے دیکھ لیا۔ جس پر آپ ﷺ کے چہرے مبارک پر غصے کے آثار نمایاں ہو گئے۔ حضرت عمرؓ نے فوراً دریافت فرمایا کہ ان سے کیا غلطی ہو گئی ہے۔ اس پر آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اگر آج میرے بھائی موسیٰ اللہؑ بھی ہوتے تو ان کے پاس اس کے سواء کوئی چارہ نہ ہوتا کہ اس کی اباقع کرتے جو میں لایا ہوں۔ اسی کے متعلق قرآن نے ان الفاظ میں حکم دیا:

﴿وَمَنْ يَتَّبِعْ غَيْرَ الْأَسْلَمِ دِيَنًا فَلَنْ يُفْقَدَ مِنْهُ وَهُوَ فِي الْآخِرَةِ مِنَ الْخَسِيرِينَ﴾

"اسلام کے سوا شخص کوئی اور طریقہ اختیار کرنا چاہے تو (اس کا وہ طریقہ) اس سے ہرگز قبول نہ کیا جائے گا اور آخرت میں وہ نقصان پانے والوں ہو گا" (آل عمران: 85)

مزید برآں کچھ لوگ شوریٰ سے متعلق محض دو آئیوں کو بنیاد بنا کر اسلامی نظام حکومت کو شوریٰ قرار دے کر اسے نہایت ہی بھمی اور غیر واضح بنا دیتے ہیں اور یوں اسے جمہوریت کے ساتھ جوڑنے کی کوشش کرتے ہیں۔ اگر اسلام کا نظام محض باہمی مشورے تک ہی محدود ہے تو پھر اس وقت کے قریش مکہ بھی شوریٰ ہی کی بنیاد پر نظام چلا رہے تھے تو پھر آخراً ایک بنیان نظام دینے کی کیا ضرورت تھی۔ قریش کے سردار "دارالندوی" میں بیٹھ کر باہم مشوری کرتے اور اس کی بنیاد پر عرب پر حکومت کرتے تھے۔ قریش کے

میکر زیب دیودھ

اسلام کا طالب علم جب قرآن و سنت پر نظر ڈالتا ہے تو اسے "جمہوریت" سے متعلق کوئی آیت یا حدیث تو درکار صحابہ، آئمہ مجتہدین یا فقہاء کا ایک قول بھی نہیں ملتا۔ حالانکہ انسانیت اسلام سے ہزاروں سال قبل جمہوریت سے روشناس ہو چکی تھی۔ وہ اس شش و پیچ کا بھی شکار ہوتا ہے کہ اگر اسلام کا نظام حکومت جمہوریت ہی ہے تو پھر کیا یونائیٹیوں نے اسلام کے آنے سے قبل ہی از خود "اسلامی نظام حکومت" دریافت کر لیا تھا؟ کیا اس "اسلامی نظام حکومت" کے نفاذ سے انہوں نے ایک اسلامی معاشرے کو جنم دے دیا تھا؟ کیا وہ نہ جانتے ہوئے بھی اسلام پر ہی چل رہے تھے؟ لیکن تاریخ کے کسی گوشے میں بھی یونانی تہذیب اور اسلامی تہذیب میں مماشوک کا کوئی شایبہ بتک نہیں ملتا۔ اگر رسول مقبول ﷺ جمہوریت ہی دے کر مجموعت کئے گئے تھے تو پھر آپ ﷺ کو یہ ارشاد فرمانے میں کیا تردد تھا کہ وہ ہی نظام لے کر آئے ہیں جو اس طور اور یونانی فلاسفہ انسانیت کو پہلے ہی دے چکے ہیں؟ جبکہ اسلامی عقائد کے بارے میں آپ ﷺ نے بڑے واضح انداز میں فرمایا تھا کہ آپ ﷺ دیگر انیمیاء ہی کے دین پر ہیں اور انہیں کوئی نیا عقیدہ دے کر مجموعت نہیں کیا گیا۔

اگر اسلام اور جمہوریت میں کوئی تضاد نہیں تو کیا یہ سیکولر حضرات کے اس دعوے کو مزید مضبوط نہیں کرتا ہے کہ اسلام محض عبادات، انفرادی معاملات اور اخلاقیات سے متعلق قوانین دیتا ہے جبکہ عوام کو اپنے نظام کو اکثریت کی بنیاد پر از خود قائم کرنے کے لئے کھلا چھوڑ دیتا ہے؟

حقیقت یہ ہے کہ اسلامی نظام حکومت کو جمہوریت کہنا اسلام پر سراسر تہمت باندھنے کے مترادف ہے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو ایک منفرد

صرف وی ہے، جو ان کی طرف آتی ہے۔“

(النجم: 4-3)

وہ اس لئے کہ عقل کے پاس ہر خیز یا شرکا از خود فیصلہ کرنے کی استطاعت موجود نہیں۔ لہذا بیشتر معاملات میں انسان مکمل علم و دراک نہ رکھنے کی وجہ سے کبھی بھی صحیح حل تک نہیں پہنچ سکتا۔ مثال کے طور پر انسان کبھی بھی مرد اور عورت کے مابین پائی جانے والی جسمانی، جذباتی، شعوری اور عقلي مماثلت یا اختلاف کا سو نیصدی اور اک نہیں کر سکتا۔ اس لئے جب بھی وہ ان کے لئے ذمہ داریاں یا حقوق کا تعین نہیں ہیں۔ انہوں نے ان جمہوری افکار اور جمہوری نظام پر اسلام کا رنگ چڑھا دیا اور کہا کہ یہ اسلام کے خلاف یا اسلام سے متصاد نہیں بلکہ یہ تو اسلام سے ہی ہیں کیونکہ یہ بعضہ شوری ہے اور یہی امر بالمعروف جن میں مرد اور عورت بالکل ایک جیسے ہیں ان میں مختلف ذمہ داری دینا ظلم ہے اسی طرح جن صلاحیتوں میں دونوں میں اختلاف ہے ان میں دونوں جنسوں کو ایک ہی ذمہ داری تفویض کرنا بھی انصاف کے منافی ہے۔ کیا عورت کی زچکی کی ذمہ داری کو مرد سماوی انداز میں بانٹ سکتا ہے؟ اگر نہیں تو پھر مساوات کا خواب کبھی بھی شرمندہ تعبیر نہیں ہو سکتا۔ یہ دونوں جنسیں مختلف ہیں اور خالق کے سوکوئی بھی انسان ان دونوں میں انصاف پر تفہیم کرنے کی دلکشی جو ان کی صلاحیتوں کے عین مطابق ہو۔ انسانی عقل اس سے عاجز ہے کہ وہ انسان کے معاملات اور ان کے باہمی تعلقات کی تفہیم میں مبنی بر انصاف نظام فراہم کر سکے۔ عقل کے بعد ابھر کرسامنے آئے۔ چنانچہ جمہوریت

ہوئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِتَالُ وَهُوَ كُرْهٌ لَّكُمْ وَعَسَىٰ أَنْ تَكُرُّهُوا شَيْئًا وَهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ وَعَسَىٰ أَنْ تُحْبُّوا شَيْئًا وَهُوَ شَرٌّ لَّكُمْ وَاللَّهُ يَعْلَمُ وَأَنْتُمْ لَا تَعْلَمُونَ﴾

”جنگ تم پر فرض کر دی گئی ہے اور وہ تمہیں ناگوار ہے ہو سکتا ہے کہ ایک چیز تمہیں ناگوار ہو اور ہمیں تمہارے لئے خیر ہو اور ہو سکتا ہے کہ ایک چیز تمہیں پسند ہو اور وہی تمہارے لئے شر ہو۔ اللہ جانتا ہے، تم نہیں جانتے“ (البقرہ: 216)

اس آیت سے واضح ہو گیا کہ انسانی عقل محدود ہونے

اسلام ہی ان کی پسمندگی اور اخبطاط کا سبب ہے، جبکہ مغرب کی ترقی کا راز اس کی تہذیب، اس کے افکار اور اس کا جمہوری نظام ہے۔ نیز انہی قوانین اور نظاموں کی وجہ سے وہ ترقی کے باعث عروج پہنچ گیا ہے۔

اس کے ساتھ ساتھ یہ انداز بھی اختیار کیا گیا کہ مغربی تہذیب اسلامی تہذیب سے متصاد نہیں بلکہ دراصل یہ اسلامی تہذیب ہی سے ماخوذ ہے۔ اس کے نظام اور قوانین اسلامی احکامات کے خلاف نہیں ہیں۔ انہوں نے ان جمہوری افکار اور جمہوری نظام پر اسلام کا رنگ چڑھا دیا اور کہا کہ یہ اسلام کے خلاف یا اسلام سے متصاد نہیں بلکہ یہ تو اسلام سے ہی ہیں کیونکہ یہ بعضہ شوری ہے اور یہی امر بالمعروف اور نہیں۔ اس طرح وہ مسلمانوں کو اسلام سے تفراور اس سے دور اور اس کے احکام کے نفاذ سے روکنا چاہتے تھے، تاکہ اسلامی ریاست یعنی خلافت کو ختم کرنا ان کے لیے آسان ہو جائے اور نتیجے کے طور پر وہ اسلام کو زندگی، ریاست اور معاشرے میں لا گو ہونے سے روک سکیں۔ نیز مسلمان ان کے کفر یہ افکار، نظام اور قوانین کو اختیار کر لیں۔ اسلام کی بجائے مغرب کے نظام کو نافذ کریں اور اسلام سے دور ہو جائیں اور یوں کافروں کو ان پر غلبہ حاصل ہو جائے۔

یہ مشری اور شفاقتی جنگ اس وقت شدت اختیار کر گئی جب انیسویں صدی کے آخری نصف میں خلافتِ عثمانیہ اپنے آخری ایام میں تھی۔ مسلمان فکری، علمی اور سیاسی اخبطاط کا شکار ہو چکے تھے۔ یورپ میں فکری اور صنعتی انقلاب، علمی اکتشافات اور ایجادات کے بعد طاقت کا توازن یورپی ریاستوں کے حق میں بہتر ہو چکا تھا، جس کے ذریعے تیز رفتار ترقی کا عمل شروع ہوا۔ جبکہ عثمانی ریاست جامد ہو کر رہ گئی اور روز بروز کمزور ہونے لگی اور اس کی وجہ سے مغربی شفاقت، مغربی افکار، مغربی تہذیب اور مغربی نظاموں کو مسلمانوں کے علاقوں میں داخل ہونے کا موقع مل گیا۔

مغربی ممالک نے اس مشری اور شفاقتی جنگ میں ایسا خط ناک اسلوب اختیار کیا کہ جس سے اسلام مسلمانوں کی تظریں بے وقت ہو کر رہ گیا۔ اس کے احکام کے بارے میں مسلمانوں میں تشویش اور تشكیک پیدا ہوئی اور مسلمانوں کو یہ تاً شردا یا گیا کہ

کی وجہ سے اس امر سے قاصر ہے کہ وہ انسانوں کی تمام ضروریات اور باہمی تعلقات کو منظم کرنے کے لئے از خودا یک مربوط نظام مہیا کر سکے جو تمام خامیوں سے پاک ہو۔

چنانچہ انسانی زندگی سے متعلق تمام امور پر احکامات صادر کرنے کے لیے اسلام میں جس چیز کی طرف رجوع کیا جاتا ہے وہ اللہ تعالیٰ کی شریعت ہے نہ کہ انسانی عقل۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿إِنَّ الْحُكْمُ إِلَّا لِلَّهِ﴾

”حکم تو صرف اللہ تعالیٰ کا ہے۔“ (یوسف: 67)

اور فرمایا:

﴿فَإِنْ تَنَازَعْتُمْ فِي شَيْءٍ فَرُدُّوهُ إِلَى اللَّهِ وَالرَّسُولِ﴾

”اگر کسی چیز میں تمہارے درمیان تنازع کھڑا ہو، تو اس کو اللہ اور رسول ﷺ کی طرف لوٹادو۔“

(النساء: 59)

جمہوریت جس عقیدے سے نکلی ہے، وہ دین کا زندگی اور ریاست سے علیحدگی کا عقیدہ ہے۔ یہ عقیدہ اس ”درمیانے حل“ پر مبنی ہے جو عیسایوں میں سے دینی لوگوں (رجال دین) اور ان فلاسفہ اور مفکرین کے درمیان ہوا تھا، جو دین اور رجال دین کے اقتدار کے مکرر تھے۔ اگرچہ اس عقیدے نے دین کے وجود کا انکار تو نہیں کیا، لیکن زندگی اور ریاست میں اس کے کردار کو معطل کر کے رکھ دیا۔ جس کے نتیجے میں پھر انسان نے اپنے لیے نظام خود بنایا۔

یہ عقیدہ ہی وہ فکری قاعدہ ہے، جس پر مغرب نے اپنے افکار کی بنیاد رکھی اور اسی سے ان کا نظام نکلا۔ اسی کی بنیاد پر انہوں نے اپنے فکری رخ اور زندگی کے بارے میں اپنے نقطہ نظر کا تعین کیا اور اسی سے جمہوری نظام وجود میں آیا۔ اسلامی نظام اس کے بالکل بر عکس ہے کیونکہ وہ اس اسلامی عقیدے پر مبنی ہے جو زندگی اور ریاست کے تمام معاملات کو اللہ تعالیٰ کے اوامر و نوامی کے مطابق چلانے کو فرض قرار دیتا ہے۔ یعنی ان احکام شرعیہ کے مطابق جو اس عقیدے پر مبنی ہیں۔ انسان اپنا نظام خود نہیں بناسکتا۔ اس پر صرف یہ فرض ہے کہ وہ اللہ کے بنائے

کریں اسے اختیار کریں یا یہ کہیں کہ مال کو بڑھانے کے لیے کسی بھی طریقہ کو بروئے کار لایا جاسکتا ہے، اگرچہ وہ طریقہ نفی نفسہ حرام ہو یا شخصی آزادی کو مباح قرار دیں تاکہ زندگی سے لطف اٹھائیں، خواہ یہ شراب پی کر ہو یا زنانے کے ذریعے سے ہو، تو اس اجماع کی کوئی قدر و قیمت نہیں ہوگی۔ اسلام کی نظر میں اس کی حیثیت مجھ سے پر کے برابر بھی نہیں۔ مسلمانوں میں سے اگر کوئی گروہ اس قسم کا ارادہ ظاہر کرے تو اس سے قوال فرض ہے، یہاں تک کہ وہ اس سے رجوع کرے۔ مسلمانوں کے لیے کوئی ایک عمل بھی خلاف اسلام کرنا جائز نہیں۔ اسی طرح کوئی ایک حکم بنانا بھی جائز نہیں۔ اللہ تعالیٰ ہی قانون ساز ہے۔

ارشاد ہے:

﴿فَلَا وَرَبَّكَ لَا يُؤْمِنُونَ حَتَّىٰ يُحَكِّمُوا فِيمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ﴾

”(اے محمد ﷺ) تمہارے رب کی قسم! یا اس وقت تک ماؤ نہیں ہو سکتے جب تک کہ یا آپ کو اپنے اختلافات میں فیصلہ کرنے والا نہ بنا لیں۔“

(النساء: 65)

اور ارشاد فرمایا گیا کہ حکومت تو صرف اللہ کے لیے ہے۔ مزید فرمایا:

﴿أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِينَ يَرْعُمُونَ أَنَّهُمْ آمَنُوا بِمَا أَنْوَلَ اللَّيْكَ وَمَا أَنْوَلَ مِنْ قَبْلِكَ بُرُّيَدُونَ أَنْ يَتَحَكَّمُوا إِلَى الطَّاغُوتِ وَقَدْ أُمِرُوا أَنْ يَكُفُّرُوا بِهِ﴾

”کیا آپ ﷺ نے نہیں دیکھا ان لوگوں کو، جو دعویٰ کرتے ہیں کہ ایمان لائے ہیں، اس پر جو آپ کی طرف اور آپ سے پہلے نازل ہوا۔ وہ چاہتے ہیں کہ اپنے فیصلے طاغوت (غیر اللہ) کے پاس لے جائیں۔ حالانکہ انہیں حکم ہو چکا ہے کہ طاغوت کا انکار کر دیں۔“ (النساء: 60)

طاغوت کے پاس اپنے فیصلے لے جانے کا مطلب یہ ہے کہ اپنے فیصلے غیر اللہ یعنی انسان کے بنائے ہوئے قوانین کے مطابق کرنا۔ ارشاد ہے:

﴿أَفَحُكْمُ الْجَاهِلِيَّةِ يَبْعُونَ وَمَنْ أَحْسَنَ مِنَ اللَّهِ حُكْمًا لَّقُومٌ يُوْقِنُونَ﴾

”لَيْكُمْ جَاهِلِيَّةٌ كَفِيلَةٌ جَاءَتْ بِهِنَّ، حَالَكُمُ اللَّهُ عَنْ اَعْلَمِهِنَّا اَنْ يَأْعُنَا“
اچھا فیصلہ کرنے والا اور کون ہے؟ یہ بات ابھی قوم
کے لیے ہے جو یقین رکھتی ہے۔ ”السادہ: 50“
حکم جاہلیت سے مراد ہر وہ حکم ہے جس کو رسول
اللہ ﷺ نے کرنے لئے آئے۔ بلکہ اس کو خود انسان نے
بنایا اور ارشاد باری ہے:

﴿فَلَيْلُدُرِ الَّذِينَ يُخَالِفُونَ عَنْ أَمْرِهِ وَأَنْ تُصِيبُهُمْ فِتْنَةٌ أَوْ يُصِيبُهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ﴾
”جو اس (محمد ﷺ) کے حکم کی مخالفت کرتے ہیں
انہیں اس بات سے ڈرنا چاہیے کہ وہ کسی فتنہ یا
دردناک عذاب میں مبتلا نہ ہو جائیں۔“ (البور: 63)
رسول اللہ ﷺ کے حکم کی مخالفت سے مراد انسان
کے بنائے ہوئے قوانین کو اختیار کرنا اور رسول اللہ
کی لائی ہوئی شریعت کو چھوڑ دینا ہے۔ رسول
اللہ ﷺ کا ارشاد ہے:
”مَنْ عَمِلَ عَمَلاً لَيْسَ عَلَيْهِ أَمْرُنَا فَهُوَ دَدٌ“
”جس نے کوئی ایسا عمل کیا جس پر ہمارا حکم نہیں تو وہ
عمل مسترد ہے۔“

اس حدیث میں ہمارے حکم سے مراد اسلام ہے۔
بے شمار آیات اور احادیث سے یہ بات معلوم
ہوتی ہے کہ اقتدار اعلیٰ (sovereignty) صرف
شریعت کو حاصل ہے اور قانون ساز صرف اللہ تعالیٰ
ہے۔ انسان کو قانون سازی کا کوئی حق نہیں۔
انسان کا فرض ہے کہ وہ اپنی زندگی کے تمام اعمال اللہ
تعالیٰ کے اور امور و نواہی کے مطابق سرانجام دے۔
اسلام نے اللہ کے اور مرونوں کی تفہیم کو مسلمانوں پر
فرض قرار دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے اور امور و نواہی کو نافذ
کرنے کے لیے ایک ایسے اقتدار کی ضرورت ہے، جو
ان کو نافذ کرے۔ چنانچہ امت کو اختیار دیا گیا ہے،
یعنی حاکم کے انتخاب کا حق، تاکہ وہ حاکم اللہ تعالیٰ کے
اوامر و نواہی نافذ کرے۔

اگرچہ شریعت نے امت کو شریعت کے نفاذ کے
لیے اپنا حاکم بذریعہ بیعت منتخب کرنے کا اختیار
دیا ہے، لیکن جمہوری نظام کی طرح حاکم کو معزول
کرنے کا اختیار نہیں دیا۔ اس لیے حدیث میں ہے
کہ خلیفہ کی اطاعت فرض ہے جا ہے وہ لوگوں کو ناپسند

ہے: ہی کیوں نہ ہو۔ لیکن یہ اطاعت اس وقت تک ہے
جب تک کہ وہ گناہ کے کام کا حکم نہ دے۔ ابھی عباس
سے روایت ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:
”(مَنْ رَأَى مِنْ أَمْرِهِ شَيْئًا يَكْرُهُهُ، فَلَيَصْبِرْ،
فَإِنَّهُ مَنْ فَارَقَ الْجَمَاعَةَ شَيْرًا فَمَاتَ، فَمَيْتَةٌ
جَاهِلِيَّةٌ)“

”جو شخص اپنے امیر کے کسی ناپسندیدہ کام کو دیکھ کر تو اس
پر صبر کرے کیونکہ جو جماعت سے ایک بالشت بھی
جدا ہوا اور اس حالت میں مر گیا تو وہ جاہلیت کی موت
مرا۔“

اور عوف بن مالک سے روایت ہے، کہتے ہیں کہ میں
نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنایا:
”... وَشَرَارُ أَمَمَتُكُمُ الَّذِينَ يُغْضُبُونَهُمْ
وَيُغْضُبُونَكُمْ وَتَأْعُنُهُمْ وَبَلْعُونُكُمْ“
قال: ”قَالُوا يَارَسُولَ اللَّهِ! إِفَلَا نُبَذِّلُهُمْ عِنْدَ الْكَ؟
قال: لَآ، مَا أَقَامُوا فِيْكُمُ الصَّلَاةَ، إِلَّا مِنْ وَلَى
عَلَيْهِ وَإِلَّا فَرَأَاهُ يَأْتِي شَيْئًا مِنْ مَعْصِيَةِ اللَّهِ،
فَلَيَكْرُهَهُ مَا يَأْتِي مِنْ مَعْصِيَةِ اللَّهِ، وَلَا يَنْزَعَنْ
يَدًا مِنْ طَاعَةِ“

”... اور تمہارے برے اماموں میں سے وہ لوگ ہیں
جنہیں تم ناپسند کرتے ہو اور وہ تمہیں ناپسند کرتے
ہیں۔ تم ان پر لعنت بھیجتے ہو اور وہ تم پر لعنت بھیجتے
ہیں، راوی کہتا ہے کہ تم نے کہا: ”یا رسول
اللہ ﷺ! کیا اس وقت ہم انہیں (حاکم) سے باہر
نکال پہنچیں نہ دیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا:
نہیں! جب تک کہ وہ تمہارے درمیان نماز قائم
کرتے رہیں۔ سنو! جس پر کوئی والی بنا پھر اس نے
دیکھا کہ وہ والی ایسا کام کرتا ہے جس میں اللہ کی
نافرمانی ہے، تو اس آدمی کو چاہیے کہ وہ اللہ کی نافرمانی
کو قو ناپسند کرے، لیکن والی کی اطاعت سے ہاتھ نہ
کھینچے،“

اقامت صلاۃ سے مراد اسلام کے مطابق حکومت
کرنا ہے۔ یعنی یہاں جزویول کر کل مراد لیا گیا ہے۔
حکمران کے خلاف خروج اس وقت تک
جانہ نہیں، جب تک کہ وہ کھلم کھلا کفر کا ارتکاب نہ
کرے۔ جیسا کہ عبادۃ بن الصامت کی روایت میں
کہ خلیفہ کی اطاعت فرض ہے جا ہے وہ لوگوں کو ناپسند

جمہوریت چونکہ اکثریت کی حکومت ہوتی ہے اور
اکثریت ہی قانون سازی کرتی ہے۔ اس لیے
حکمرانوں، پارلیمنٹ کے اراکین، اداروں اور تنظیموں
کے اراکین کا انتخاب اکثریت ہی کی بنیاد پر ہوتا ہے۔
اسی طرح پارلیمنٹ میں قانون سازی، معاملہ اور
فیصلے بھی اکثریت کی بنیاد پر ہوتے ہیں۔
لہذا جمہوریت میں اکثریت کی رائے حکمرانوں
اور عموم سب کے لیے لازمی ہے، کیونکہ اکثریت کی
رائے ہی کو عوام کا ارادہ سمجھا جاتا ہے اور اقلیت کے
لیے اکثریت کے سامنے سر جھکانے کے علاوہ اور کوئی
چارہ نہیں۔

اسلام میں یہ معاملہ بالکل مختلف ہے۔ اسلام
میں قانون سازی کی بنیاد اکثریت یا اقلیت نہیں بلکہ
صرف شرعی نصوص ہیں کیونکہ قانون ساز صرف اللہ
ہے، نہ کہ امت۔ احکام کو اختیار کرنے اور ان کو نافذ
کرنے کا اختیار صرف خلیفہ کو حاصل ہے۔ خلیفہ
احکامات کو صحیح ترین نصوص شرعیہ، جو کتاب اللہ
اور سنت رسول ﷺ میں سے ہوں، اجتہاد کے ذریعے

نظاموں، تعلیمی اور خارجہ پا یسی وغیرہ کا تعلق ہے تو یہ تمام کے تمام خلیفہ مندرجہ بالا اصول کے تحت قرآن و سنت سے مضبوط دلیل کی بناد پر تینی کرتا ہے کیونکہ اسلام ان نظاموں کی مکمل عملی تفصیل دیتا ہے۔ چنانچہ ان قوانین کو قرآن و سنت سے اخذ کرنے میں اسلام ہمیں اکثریت و اقلیت نہیں بلکہ تو یہ شرعی دلیل پر عمل کرنے کا حکم دیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے بھی آپ ﷺ کو ہر معاملے میں اکثریت کی رائے قبول کرنے سے منع فرمایا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَإِنْ تُطِعْ أَكْثَرَ مَنْ فِي الْأَرْضِ يُضْلُّوكَ

عن سَيِّدِ الْهُدَى

”اور (اے محمد ﷺ!) اگر آپ لوگوں کی اکثریت کے کہنے پر چلیں، جو زمین میں ہستے ہیں، تو وہ آپ کو اللہ کے راستے سے بھکار دیں گے“ (الانعام: 116)

یہ آیت جمہوریت کے نبیادی فلسفے کو درکرنے کے لئے کافی ہے۔ لیکن مباح امور میں شوریٰ کا عمل دخل ہوتا ہے جسے بعض لوگوں نے مخالفہ میں پورے حکومتی نظام پر چسپا کر دیا اور یوں اسے جمہوریت کے مثال قرار دے ڈالا۔ جبکہ دراصل مباح امور کی دو اقسام میں سے محض ایک قسم میں ہی اکثریت رائے لازم ہے جبکہ دوسرا قسم میں رائے تو یہ جاسکتی ہے لیکن اس میں اکثریت کی اتباع لازمی نہیں۔ اس کی تفصیل کچھ یوں ہے:

چونکہ فنی اور فکری امور سے متعلق قانون سازی میں تجربے، سوچ اور غور و فکر ضروری ہے۔ اس لیے اس میں درست رائے کا اعتبار ہوگا، اکثریت اور اقلیت کو نہیں دیکھا جائے گا۔ چنانچہ اس معاملے میں ماہرین فن کی طرف رجوع کیا جائے گا۔ فوجی امور میں فوجی ماہرین، فتحی امور میں فقہاء اور مجتهدین، طبی امور میں ماہر اطباء، انجینئرنگ میں ماہر انجینئرنگ اور فکری امور میں بڑے مفکرین کی طرف رجوع کیا جائے گا۔ علی مذکور القیاس ان جیسے امور میں رائے اور فکر کی درستی کا اعتبار ہوگا، اکثریت کا نہیں۔ صحیح بات اس کے ماذن سے لے لی جائے گی اور وہ ماہرین فن ہوں گے نہ کہ اکثریت۔ اس کی دلیل غزوہ پدر کا

خلاف ایک ساتھ شکر کشی فرمائی۔ نیز حضرت عمرؓ نے عراق کے متوجه علاقوں پر خراج نافذ کرنے کے اپنے اجتہاد کو نافذ فرمایا اگرچہ حضرت بالاؓ اور اکابر صحابہؓ اجتہاد ان سے مختلف تھا۔ مزید برآں حضرت ابو بکرؓ نے اپنے دور خلافت میں طلاق اور وراشت میں اپنے اجتہادات کو نافذ فرمایا جبکہ حضرت عمرؓ نے اپنے دور میں انہی مسائل پر مختلف اجتہادات کو لا گو فرمایا۔ حضرت ابو بکرؓ اور عمرؓ کے اس طریقہ کار پر تمام صحابہؓ کا اجماع ہے جو ہمارے لئے شرعی دلیل ہے۔ چنانچہ معلوم ہوا کہ خلیفہ اپنے اجتہاد کے مطابق وہ نافذ کرتا ہے جسے وہ اللہ کا حکم سمجھتا ہے نیز اس پر لوگوں کی اکثریت کی رائے پر عمل کرنا لازم نہیں ہوتا۔ جبکہ مسلمانوں کے لیے ان احکامات کی پابندی کرنا لازم ہے، اگرچہ وہ اپنے اجتہاد کی بنا پر اس حکم سے متفق نہ بھی ہوں۔ نیزان پر لازم ہے کہ وہ اپنی رائے اور اجتہاد کو چھوڑ دیں۔ یہ تینی شدھہ احکامات دراصل قوانین ہوتے ہیں۔ چنانچہ قوانین کی تینی کرنا صرف خلیفہ کے لیے ہے کسی اور کوئی حق حاصل نہیں۔

خلیفہ کے تینی شدھہ (adopted) احکام کی اتباع اس سے بھی ثابت ہوتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اول والا مرکی اطاعت کا حکم دیا ہے، ارشاد ہے:

﴿أَطِيعُ اللَّهَ وَأَطِيعُ الرَّسُولَ وَأُولَئِ الْأُمَّةِ مِنْكُمْ﴾

”اللہ اور رسول ﷺ کی اطاعت کرو اور اپنے میں سے اول والا مرک (حکمرانوں) کی بھی۔“ (النساء: 59)

اوہیاں اول والا مرک سے مراد حکام ہیں۔ اسی سے میں مشہور فقہی قواعد بنے ہیں:

۱۔ **أَمْرُ الْأَمَامِ يَرْفَعُ الْخَلَافِ**
”امام کا حکم اختلاف کو ختم کرتا ہے۔“
۲۔ **أَمْرُ الْأَمَامِ نَافِذٌ ظَاهِرًا وَبَاطِنًا**
”امام کا حکم ظاہری اور باطنی طور پر نافذ ہوتا ہے۔“
۳۔ **لِلْسُلْطَانِ أَنْ يُحِيدُثُ مِنَ الْأُفْصَيْةِ بِقَدْرِ مَا يُحِيدُثُ مِنْ مُشْكِلَاتِ**
”سلطان نے مسائل کے لیے بقدر ضرورت نیا حل تلاش کرتا ہے۔“

”سلطان نے مسائل کے لیے بقدر ضرورت نیا حل تلاش کرتا ہے۔“

خلافت کے دوران صحابہؓ کی اکثریت رائے کو مسترد کرتے ہوئے اپنی رائے کو نافذ کیا اور مرتدین زکوہ، جھوٹی نبوت کے دعوے داروں اور رومیوں کے حاصل ہونے والی مضبوط ترین دلیل سے اعتیار کرے گا۔ خلیفہ کے لیے احکامات میں سے کسی حکم کو نافذ کرنے کے لیے مجلس امت کی رائے لینا جائز ہے، لیکن ضروری نہیں۔ کیونکہ خلافتے راشدین کسی حکم کو اختیار کرتے وقت صحابہؓ کی طرف ان کی رائے معلوم کرنے کے لیے رجوع کیا کرتے تھے۔ جیسا کہ عمرؓ بن خطاب نے شام، مصر اور عراق کی مفتوحہ اراضی کے بارے میں حکم لگانے کے لیے مسلمانوں سے رائے لی۔

اس لیے خلیفہ احکامات کی ”تمنی“ (کسی حکم کو لکی قانون کے طور پر اختیار کرنے) کے لیے مجلس امت کی طرف رجوع کرے، تو مجلس امت کی رائے اس کے لیے لازم نہیں، اگرچہ یہ جماعتی یا اکثریتی رائے ہو۔ کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے صلح حدیبیہ میں اعتراض کرنے والے مسلمانوں کی رائے چھوڑ دی، حالانکہ وہ اکثریت میں تھے، اور معابدہ کر ڈالا اور ارشاد فرمایا:

(إِنَّمَا يَعْبُدُ اللَّهُ وَرَسُولُهُ وَلَمْ يَأْخُذْ أَخَالِفَ أَمْرَهُ)
”میں اللہ کا بندہ اور اس کا رسول ہوں، میں ہرگز اس کے حکم کی مخالفت نہیں کروں گا۔“

اور صحابہؓ کا بھی اس بات پر اجماع ہے کہ امام (خلیفہ) متعین احکام اختیار کر سکتا ہے اور ان پر عمل کا حکم دے سکتا ہے۔ اور مسلمانوں پر اپنی آراء کو چھوڑ کر خلیفہ کے حکم پر چلنا فرض ہے۔ مثلاً ابو بکرؓ نے قرآن و سنت کے احکامات سے اس رائے کو زیادہ درست جانا کہ وہ مسلمانوں میں مال غنیمت کی مساوی طور پر تقسیم کریں کیونکہ اس مال پر تمام مسلمانوں کا حق برابر ہے۔ حضرت عمرؓ نے اس بات کو درست جانا کہ وہ لوگ، جنہوں نے قبول اسلام سے قبل رسول اللہ کے خلاف جنگ کی انہیں اس شخص کے برادر مال عطا کیا جائے جس نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ مل کر جنگ کی یادہ ضرورت مند کو بھی اتنا ہی دیں جتنا کہ مالدار کو دیا جائے۔ اسی طرح حضرت ابو بکرؓ نے اپنی خلافت کے دوران صحابہؓ کی اکثریت رائے کو مسترد کرتے ہوئے اپنی رائے کو نافذ کیا اور مرتدین زکوہ، جھوٹی نبوت کے دعوے داروں اور رومیوں کے

اور قوانین کی قانون سازی ہے، جسے انسان اپنی عقلي
سے وضع کرتا ہے، عقل ہی کی بنیاد پر اپنے مفادات
کے لیے اس کی قانون سازی کی جاتی ہے اور وہی
کا اس کے ساتھ کوئی تعلق نہیں۔

اس لیے مسلمانوں کے لیے اسے اختیار کرنا، اس
کی طرف دعوت دیتا، اس کی بنیاد پر جماعتیں بنانا،
زندگی کے بارے میں اس کے نقطہ نظر کو اپنانا، اسے
نافذ کرنا، اسے دستوروں اور قوانین کے لیے اساس
بنانا، قوانین اور دستوروں کا اسے مصدر بنانا اور تعلیم یا
اس کے مقصد کی بنیاد بنا لکھ رحماء ہے۔
یہ بھی ہے اور اس کو جو سے اکھاڑ پھینکنا مسلمانوں
پر فرض ہے۔ یہ طاقت ہے اور یہی کافرانہ افکار کا
مجموعہ ہے۔ یہ کافرانہ نظام اور قوانین کا مرکب ہے۔
اسلام کا اس سے کوئی تعلق نہیں۔

مسلمانوں پر اسلام کو مکمل طور پر زندگی، ریاست
او رعاشرے میں نافذ کرنا فرض ہے، ارشاد باری
تعالیٰ ہے:

**وَمَنْ يُشَاقِقِ الرَّسُولَ مِنْ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ
الْهُدَىٰ وَيَتَبَعَّ غَيْرُ سَيِّلِ الْمُؤْمِنِينَ نُوَلِّهُ
مَاتَوْلَىٰ وَنُصْلِهُ جَهَنَّمَ وَسَاءَ ثَمَّ مَصِيرًا** ﴿۱۱۵﴾
”اور جو شخص رسول ﷺ کی مخالفت پر کمر بستہ ہو اور
راہ راست کے واضح ہو جانے کے بعد بھی اہل ایمان
کی روشن کے سوا کسی اور روشن پر چلے۔ تو اسے اسی
طرف چلتا کر دیں گے، جدھروہ خود پھر گیا۔ اور تم
اسے جہنم میں جھونک دیں گے، جو بتیرں جائے قرار
ہے۔“ (النساء: 115)



حضرت عمر بن خطابؓ سے روایت ہے کہ

رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:
”اگر تم اللہ پر اس طرح توکل کرو کہ جیسا
توکل کرنے کا حق ہے تو اللہ تھیں اس طرح
رزق دے گا جیسے وہ پرندوں کو رزق دیتا
ہے۔ صحیح کوان کا پیٹ خالی ہوتا ہے اور
جب وہ واپس لوٹتے ہیں تو ان کا پیٹ بھرا
ہوا ہوتا ہے،“ (الام)

مقدس پیغمبر ہے۔ لہذا فردی یا ریاست اس آزادی کو ختم
نہیں کر سکتے۔ چنانچہ سرمایہ دارانہ جمہوری نظام
افرادی نظام سمجھا جاتا ہے۔ عام آزادیوں کی
حفاظت کو ریاست کی اہم ذمہ داریوں میں شمار کیا
جاتا ہے۔ اسلام میں معاملہ اس کے برعکس ہے۔
ہر مسلمان اپنے تمام افعال اور اقوال میں نصوص شرعیہ
کا پابند ہے۔ اس کے لیے کوئی ایسا عمل کرنا یا کوئی
ایسی بات کہنا، جو نصوص شرعیہ کے خلاف ہو، جائز
نہیں۔ اس لیے ایک مسلمان اسی رائے کو اختیار
کر سکتا ہے اور اسی کی طرف دعوت دے سکتا ہے، جس
کی نصوص شرعیہ اجازت دیں۔ مسلمان کے لیے
جاہز نہیں کہ ایسی رائے کا علمبردار بنے یا اس کی طرف
دعوت دے، جس کی نصوص شرعیہ اجازت نہیں
دیتے۔ اگر پھر بھی وہ ایسا کرے تو اسے سزا دی
جائے گی۔ لہذا مسلمان رائے کے اعتبار سے احکام
شرعیہ کا پابند ہے، آزادیں۔

اسلام نے زنا، اغلام بازی، ہم جنس پرستی، شراب
نوشی، عربانی وغیرہ سب کو حرام قرار دیا اور ان پر سخت
سزا مقرر کی ہے۔ اسلام نے اعلیٰ اخلاق اپنا نہ اور
اچھی خصلتیں اختیار کرنے کا حکم دیا ہے اور اسلامی
معاشرہ کو پاکیزگی اور پاک دائمی کا معاشرہ اور بلند
اقدار کا معاشرہ بنایا ہے۔
مذکورہ تفصیل سے معلوم ہو گیا کہ مغربی تہذیب،
مغربی اقدار، مغربی نقطہ نظر، مغربی جمہوریت اور عام
آزادیاں اسلامی احکامات سے کلی طور پر مصادم
ہیں۔ وہ کافرانہ افکار، کافرانہ تہذیب، کافرانہ نظام
اور کافرانہ قوانین ہیں۔ یہ کہنا انتہائی جہالت اور
گمراہی ہے کہ اسلام میں جمہوریت ہے اور شوریٰ اسی
کا نام ہے اور جمہوریت امر بالمعروف اور نهي
عن المنکر بھی ہے اور یہی حکام کا محاسبہ ہے۔
شوریٰ، امر بالمعروف و نهي عن المنکر
اور حکام کا محاسبہ، یہ سب احکام شرعیہ ہیں، جنہیں اللہ
تعالیٰ نے مقرر کیا ہے اور مسلمانوں کو ان پر کار بند
رہنے کا حکم دیا ہے۔ جمہوریت کوئی حکم شرعی نہیں۔
یا اللہ تعالیٰ کا نازل کردہ نہیں، بلکہ اس کو خود انسان نے
وضع کیا ہے۔ یہ شوریٰ سے بالکل مختلف ہے، کیونکہ
شوریٰ افہما رائے ہے اور جمہوریت زندگی کے
بارے میں ایک نقطہ نظر ہے۔ یہ دستوروں، نظاموں

واقعہ ہے، جب رسول اللہ ﷺ نے حبابؑ بن منذر کی
رائے سے اس جگہ کو بدل دیا، جہاں آپؑ اترے
تھے اور حبابؑ کی رائے کو ترجیح دی کیونکہ حبابؑ کو
ٹھکانوں کا زیادہ علم تھا۔ آپؑ نے اس معاملے
میں کسی اور صحابی سے مشورہ نہیں کیا۔ اس کے برعکس
جمہوری نظام میں پارلیمنٹ کے اراکین، چاہے
مسلمان ملکوں میں ہوں، یامغرب میں، عموماً مہرین
نہیں ہوتے اور ان امور میں گہری سوچ بوجھ بھی نہیں
رکھتے۔ چنانچہ ان امور میں اراکین کی اکثریت کی
رائے کی کوئی قیمت نہیں ہوتی۔ ان کی مخالفت یا
موافقت برائے نام ہوتی ہے، کسی علم یا معرفت کی
بنیاد پر نہیں۔ چنانچہ ان امور میں اکثریت کی رائے کو
اختیار کرنا ضروری نہیں۔

وہ امور جن میں عملی اقدام کی ضرورت ہوتی ہے،
سوچ بچارا اور غور و فکر کی ضرورت نہیں ہوتی، انہی امور
میں اکثریت کی رائے کو قبول کرنا خلیفہ پر لازم ہوگا۔
حقیقت بھی یہی ہے کہ اکثریت ان امور کا ادراک
کرتی ہے۔ ممکن ہے کہ وہ کوئی ایسی رائے دیں
جس میں سہولت اور آسانی ہو یا اس میں مصلحت ہو۔
مثلاً کیا ہم فلاں کو خلیفہ یا اپنا نمائندہ منتخب کریں یا
فلان کو؟ سڑکیں پہلے بنائیں جائیں یا ہبھتائی؟
سیورٹی کا نظام پہلے درست ہو یا مواصلاتی نظام؟
ان جیسے امور کو ہر انسان جانتا ہے۔ اس لیے اس میں
کوئی بھی اچھی رائے دے سکتا ہے۔ تو اس میں
اکثریت کی رائے کا اعتبار ہو گا اور اکثریت کی رائے
لازم ہوگی۔ اس کی دلیل غزوہ احمد کا واقعہ ہے کہ
رسول اللہ ﷺ اور بڑے صحابہؓ کی رائے یہ تھی کہ مدینہ
سے نہ نکلا جائے، جبکہ اکثریت خصوصاً جوان صحابہؓ کی
رائے تھی کہ نکل کر قریش کا مقابلہ کیا جائے۔ گویا
رائے نکلنے اور نہ نکلنے کے بارے میں تھی۔ جب
اکثریت نے نکلنے کی رائے دی تو رسول اللہ ﷺ اپنی
اور کبار صحابہؓ کی رائے رد کرتے ہوئے مقابلے کے
لیے مدینہ سے باہر نکل کھڑے ہوئے۔
جمہوریت کے نمایاں ترین افکار میں سے ایک فکر
عام آزادیوں کا نظریہ ہے۔ یہ جمہوریت کی بنیاد سمجھا
جاتا ہے۔ فرد کی آزادی جمہوری نظام میں ایک

اسلام پولیس سٹیٹ کے انداز میں حکومت کرنے کو حرام قرار دیتا ہے

جہنمی ایسے ہیں جنہیں میں نے ابھی تک نہیں دیکھا، کچھ لوگ ہوں گے جن کے پاس ایسے کوڑے ہوں گے جیسے بیل کی دمیں ہوتی ہیں جس سے وہ لوگوں کو ماریں گے...” (سلم نے اس حدیث کو ابو ہریرہؓ سے روایت کیا) اسلام نے لوگوں کی ناموس، ان کے مال، عزت اور

گھروں کے تقدس کی پامالی کو حرام قرار دیا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ((کل المسلم علی المسلم حرام، دمه و ماله و عرضه)) ”ہر مسلمان پر دوسرے مسلمان کا خون، مال اور عزت

حرام ہے،“ (سلم نے اس حدیث کو ابو ہریرہؓ سے روایت کیا) اور آپ ﷺ نے کعبہ کا طواف کرتے ہوئے یہ ارشاد فرمایا: ((ما أطيلك، وأطيلب ريحلك، ما أعظمك وأعظم حرمتك، والذي نفس محمد بيده لحرمة المؤمن أعظم عند الله حرمة منك، ماله و دمه، وأن لا نَفْذَنَ به إلا خيراً)) ”کتنا طیب ہے تو اور کتنی طیب تیری ہوا ہے، کتنا عظیم ہے تو اور کتنی عظیم تیری حرمت ہے۔ لیکن اس ذات کی قسم کہ جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے، اللہ کی نظر میں ایک مومن، اس کے خون اور اس کے مال کی حرمت تجھ سے بڑھ کر ہے۔ اور ہم اس کے متعلق خیر کے سوا اور کچھ گمان نہیں کرتے“ (ان

لبخنے اس حدیث کو سیدنا اللہ بن عمرو سے روایت کیا)

آپ ﷺ نے بھی ارشاد فرمایا: ((سباب المسلم فسوق، و قتاله كفر)) ”مسلمان کو گالی دینا فتنت ہے اور اسے قتل کرنا کفر ہے“ (بخاری نے اس حدیث کو عبد اللہ بن سعیدؓ سے روایت کیا)

گھروں کے تقدس کے متعلق رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ((لو أَنَّ رَجُلًا أَطْلَعَ عَلَيْكَ بِغَيْرِ إِذْنٍ، فَحَذَفَهُ بِحَصَّةٍ، فَفَقَاتَ عَيْنِهِ مَا كَانَ عَلَيْكَ مِنْ جَنَاحٍ)) ”اگر کوئی تمہارے گھر میں تمہاری اجازت کے بغیر جھانکے اور تم پھر مار کر اس کی آنکھ

اسلام میں لوگوں کے امور کی دیکھ بھال کی ذمہ داری ریاست پر فرض ہے۔ مسلمان اسلامی احکامات پر عمل نہیں کرتے کہ انہیں ریاست کا خوف ہوتا ہے بلکہ وہ اللہ کے خوف سے ان احکامات پر چلتے ہیں۔ مندرجہ ذیل مضمون حزب اختری کی کتاب ”اسلام کا نظام حکومت“ سے ایک اقتباس ہے۔ جس کے اندر اس بات کو نہایت مدلل انداز سے واضح کیا گیا ہے کہ اسلامی ریاست ایک پولیس اسٹیٹ، نہیں ہوتی۔

اسلام میں حکومت اور اتحاری سے مراد ہے، بجائے جبر، ظلم اور تسلط کرنا ہے۔ اور حکومت احکام شریعت کے ذریعے لوگوں کے امور کی دیکھ بھال کرنا۔ اور یہ جبر و قوت استعمال کرنے سے مختلف دوست پھیلانے، تسلط بھانے، ظلم و زبردستی کرنے اور خون بھانے کے سوا کسی اور چیز سے آشنا ہوگی۔

جس طرح اتحاری کا قوت میں تبدیل ہو جانا جائز نہیں کیا گیا۔ قوت اتحاری نہیں، اگرچہ اس کا وجود، اس کی تفصیل و تیزی اور تیاری اتحاری کے وجود کے بغیر ممکن نہیں۔ قوت ایک مادی وجود ہے جس کا اظہار فوج کے ذریعے ہوتا ہے، اور اس میں پولیس بھی شامل ہے۔ اس کے ذریعے اتحاری یعنی ریاست، احکامات کی تنفیذ کرتی ہے، مجرموں اور با غیبیں کو سزا دیتی ہے، احکامات کو توزی نے والوں کو کپکتی ہے اور لوگوں کے جان و مال پر حملہ کرنے والوں سے بُختی ہے۔ یہ ریاست کی اتحاری کے تحفظ کا ذریعہ ہوتی ہے اور ان افکار و تصورات کی حفاظت کا بھی، جس پر ریاست قائم ہوتی ہے اور جنہیں ریاست پوری دنیا تک پہنچاتی ہے۔

اسلام نے لوگوں کو عذاب دینے اور انہیں ایذا پہنچانے کو حرام قرار دیا ہے۔ مسلم نے ہشام بن حکیم سے روایت کیا، آپ نے کہا: میں اس بات کی گواہی دیتا ہوں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سننا: ((إِنَّ اللَّهَ يَعِذِّبُ الَّذِينَ يَعْذِّبُونَ النَّاسَ فِي الدُّنْيَا)) ”اللَّهُ أَعْذَابُ عَذَابَ الدُّنْيَا مِنْ لَوْگُوں کو عذاب دے گا جو دنیا میں لوگوں کو عذاب دیتا ہے“

یہ اس بات کو ظاہر کرتا ہے کہ اتحاری اور قوت ایک نہیں ہیں۔ اگرچہ اتحاری کا قوت کے بغیر ہونا ممکن نہیں۔ پس قوت اتحاری سے مختلف چیز ہے اگرچہ اتحاری کا وجود قوت کے بغیر باقی نہیں رہتا۔ لہذا ریاست کے لیے یہ جائز نہیں کہ وہ قوت کی شکل اختیار کر لے۔ کیونکہ اگر اتحاری محض قوت بن جائے تو لوگوں کے امور کی دیکھ بھال بڑی طرح متاثر ہوگی۔ ایسا کرنے سے ریاست کے افکار اور ریاست کا معیار لوگوں کے امور کی دیکھ بھال کی

پھوڑ دو تو تم پر کوئی گناہ نہیں،” (مسلم نے اس حدیث کا ابو ہریرہ
سے روایت کیا)

اور بخاری اور مسلم نے سہل بن سعد السعدي سے روایت کیا کہ ایک مرتبہ ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ کے مجرمے کی درز سے اندر جھانکا۔ آپ ﷺ اس وقت ایک چھوٹی سی چھڑی سے اپنے سر کھجرا ہے تھے۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ((لو أعلم أنك تنظر لطعنت بها في عينك ، إنما جعل الاستئذان من أجل البصر)) ”اگر مجھے معلوم ہوتا کہ تم اندر جھانک رہے ہو تو میں اسے تمہاری آنکھ میں گھنپ دیتا۔ بے شک اجازت لینا (گھر میں) جھانکنے (سے پچھے) کی وجہ سے ہے“

آپ ﷺ نے یہ بھی ارشاد فرمایا: ((مَنْ اطْلَعَ عَلَى قَوْمٍ فِي بَيْتِهِ بَغْيَرِ إِذْنِهِ فَقُدِّمَ حَلَّ لَهُمْ أَنْ يَفْقَأُوا عَيْنَهُ)) ”جو دوسروں کے گھروں میں اُنکی اجازت کے بغیر جھانکنے تو ان لوگوں کے لیے جائز ہے کہ اس کی آنکھ پھوڑ دیں“ (احمد نے اس حدیث کا ابو ہریرہ سے روایت کیا)

اسلام نے مسلمانوں پر نظر رکھنے، ان کا پیچھا کرنے اور ان کی ذاتی خبروں کا کھونگ لگانے کو حرام قرار دیا ہے۔ ایک مسلمان کے لیے دوسرے مسلمان کی جاسوسی کرنا حرام ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: ﴿بِإِيمَانِ الَّذِينَ أَمْنُوا جَنَّبُوكُمْ كَثِيرًا مِنَ الظَّنِّ زَانَ بَعْضُ الظَّنِّ إِثْمٌ وَ لَا تَجْسِسُوا﴾

”اے ایمان والو! بدگمانیوں میں کثرت کرنے سے بچو، بے شک بعض بدگمانیاں گناہ میں اور بھیدنہ ٹولا کرو“ (الحجرات: 12)

اور رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ((إِيَّاكُمْ وَالظَّنُّ، فَإِنَّ الظَّنَّ أَكْذَبُ الْحَدِيثِ، وَلَا تَحْسِسُوا، وَلَا تَجْسِسُوا، وَلَا تَحَسِّدُوا، وَلَا تَدَابِرُوا، وَلَا تَباغضُوا، وَكُونُوا عِبَادَ اللَّهِ إِخْرَاجًا)) ”بدنی سے بچو، کیونکہ غنگوکے دوران بدلنی سب سے بڑا جھوٹ ہے اور ایک دوسرے کے بھید مت ٹولو اور ایک دوسرے کی جاسوسی مت کرو اور ایک دوسرے سے حسد مت کرو اور ایک دوسرے سے پشت مت پھیرو اور ایک

سلوک کرنا چاہیے۔ رسول اللہ ﷺ نے ذمیوں کے ساتھ اچھا سلوک کرنے کی وصیت کی اور آپ ﷺ نے انہیں ایذا پہنچانے سے منع فرمایا۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

((مَنْ ظَلَمَ مَعاهِدًا ، أَوْ كَلَفَهُ فَوْقَ طاقَتِهِ فَأَنَا حَجِيجُهُ إِلَى يَوْمِ الْقِيَامَةِ)) ”جو (کفار) معاهدین کو نقصان پہنچاتا ہے یا ان کی طاقت سے زیادہ ان پر بوجھڈاالتا ہے قیامت کے دن میں اس کے خلاف جھگڑا کروں گا“ (اس حدیث کو مکین بن ادم نے تاتب القرآن میں بیان کیا)

اور عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: (أَوْ صَيِّدُ الْخَلِيفَةِ مِنْ بَعْدِي بِذِمَّةِ رَسُولِ اللَّهِ عَلَيْهِ الْحَمْدُ حِيَّاً أَوْ يَوْمَ الْهُمَّ بَعْدَهُمْ وَأَنْ يَقْاتِلُ مِنْ وَرَائِهِمْ ، وَأَنْ لَا يَكْلُفُوا فَوْقَ طاقَتِهِمْ) ”میں اپنے بعد آنے والے خلیفہ کو وصیت کرتا ہوں کہ وہ ان (غیر مسلموں) کے ساتھ اچھا سلوک کرے جو رسول اللہ ﷺ کی پناہ میں آئے۔ وہ ان کے معاهدات کو پورا کرے ان کی حفاظت کے لیے جنگ کرے اور ان کی طاقت سے زیادہ ان پر بوجھنہ ڈالے“ (بھی بن ادم نے اسے روایت کیا) یہ آیت اور احادیث نبوی مسلمانوں کو دوسرے مسلمانوں کی جاسوسی کرنے اور ان کے عیوب کا کھون لگانے سے معن کرتی ہیں اور متنبہ کرتی ہیں کہ جو مسلمانوں کے عیوب کے پیچھے پڑے گا اور اللہ اس کے عیوب کے پیچھے پڑے گا اور اسے ذلیل ورسا کر دے گا۔ اس کے علاوہ مزید احادیث ہیں جو مسلمانوں پر ایسی ایجنسیوں کے لیے کام کرنے کو حرام قرار دیتی ہیں جو مسلمانوں کی جاسوسی کرتی ہوں۔ ابو داؤد اور احمد نے سورے رسول اللہ ﷺ کا ارشاد روایت کیا: ((مَنْ أَكْلَ بِرْ جَلَ مُسْلِمًا أَكْلَهُ ، فَإِنَّ اللَّهَ يَطْعَمُهُ مِثْلًا مِنْ جَهَنَّمَ ، وَمَنْ كَسَّا ثُوبًا بِرْ جَلَ مُسْلِمًا فَإِنَّ اللَّهَ يَكْسُوهُ مِثْلًا مِنْ جَهَنَّمَ...)) ”جو کسی مسلمان کو نقصان پہنچا کر کچھ کھائے گا، اللہ اس کے مثل اسے جہنم میں کھائے گا اور جو کوئی کسی مسلمان کو نقصان پہنچا کر پہنچے گا اللہ جہنم میں اسے اس کے مثل پہنچائے گا“

جس طرح مسلمانوں کی جاسوسی کرنا حرام ہے اسی طرح اسلامی ریاست کے غیر مسلم باشدوں یعنی اہل ذمہ کی جاسوسی کرنا بھی حرام ہے کیونکہ وہ برتاؤ کے لحاظ سے مسلمانوں کے برابر ہیں اور ان کے ساتھ اچھا

”کامیاب عورت“، کامغرلی اور اسلامی نقطہ نظر

میگزینر دبودت

جو کوئی کام نہیں کرتیں وہ اپنے معاشرے کی طرف سے مستقل دباؤ کا شکار رہتی ہیں کہ انہیں بھی کوئی کام کرنا چاہیے۔ چنانچہ وہاں پر موجود مسلمانوں کی بڑی تعداد اس سوچ سے متاثر ہو چکی ہے۔ جس کا نتیجہ یہ ہے کہ بہت سے والدین اپنی بیٹیوں کو کامیاب کیریئر اختیار کرنے کی ترغیب دیتے ہیں، جبکہ ممکن ہے کہ وہ اڑکی جلدی شادی کرنے کے حق میں ہو اور ماں کا کردار بناجنے کو ترجیح دیتی ہو۔

”کامیاب عورت“ کے اس مغربی معیار کا اسلامی دنیا پر اثر:

مغرب چاہتا ہے کہ مسلمان اُن کے دیے ہوئے معیارات پر اپنی زندگی کو پر کھے۔ چنانچہ میدیا کے ذریعہ وہ مغربی طرز زندگی کو پھیلانے کے لیے جو رات ایک کئے ہوئے ہے۔ جس کا اثر یہ ہوا ہے کہ مسلم ممالک میں بھی یہ رائے پھیلتی چلی جا رہی ہے کہ کامیاب خاتون وہ ہے جس کا اپنا ایک کیریئر ہو۔ حال ہی میں ایک میگزین Working Mother میں افغان خواتین کے حوالہ سے ایک مضمون شائع ہوا ہے، جس میں لکھا ہے کہ ”بہت سی خواتین معاشری ضرورت کے تحت کام کرنے پر مجبور ہوتی ہیں۔ لیکن افغان خواتین کا ایک بڑھتا ہوا گروہ اپنے کیریئر کے دوبارہ حصوں کی کوشش کر رہا ہے۔ تاکہ وہ اپنا کھویا ہوا مقام حاصل کر سکے، جس کو وہ طالبان کی حکومت کے دران چھوڑنے پر مجبور تھیں“ اس مضمون میں ایک بڑی کا انترو یو یونی شامل کیا گیا ہے جس میں کہا گیا کہ وہ اس سوچ سے بہت متاثر ہوئی ہیں کہ اپنی اس زندگی میں ایک کامیاب کیریئر حاصل کرنا باقی تمام مقاصد سے بڑھ کر ہے۔ وہ بھی اب یہ یقین رکھتی ہیں کہ یہ کیریئر ہی ہے جو کہ عورت کو معاشرے میں مقام اور اعزت بخشتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ وہ شادی دیر سے کرتی ہیں یا وہ شادی کرتی ہیں کیونکہ وہ شادی کو اپنے کیریئر کی راہ میں رکاوٹ سمجھتی ہیں۔ وہ بچوں کی بیوائش بھی دیر سے کرتی ہیں اور تھوڑے بچے پیدا کرتی ہیں یا بچے پیدا ہی نہیں کرتیں۔ اور وہ خواتین اپنے فیصلے بھی خود کرتی ہو،“

گزشتہ صدی سے یہ موضوع مسلسل زیر بحث ہے کہ معاشرے میں ”کامیاب عورت“ کون ہوتی ہے؟ مغربی معاشرے میں اُس خاتون کو ”کامیاب عورت“، قرار دیا جاتا ہے جو کامیاب معاشر رکھتی ہو، جو مالی طور پر خود مختار ہو اور جو گھر اور کارکی مالک ہو۔ لہذا ایسی خواتین اس معاشرے میں رول ماؤل (Role model) کے طور پر جانی جاتی ہیں جو مذکورہ بالا معیار پر پوری اترتی ہوں۔ چنانچہ موجودہ برطانوی حکومت نے ایک پالیسی بعنوان ”تو می سڑی بھی براۓ بچوں کی دیکھ بھال“، متعارف کرائی ہے کہ جس کے مطابق بچوں کی دیکھ بھال کے لیے بہت سی جگہیں فراہم کی جائیں گی تاکہ وہ خواتین جو کام کرتی ہیں اپنے بچوں کو دیکھ بھال کے لیے ان جگہوں پر چھوڑ سکیں۔ اسی طرح انہیں مالی فوائد اور ٹیکس میں چھوٹ بھی دی جاتی ہے تاکہ وہ اپنے بچوں کی دیکھ بھال پر اٹھنے والوں اخراجات کو برداشت کر سکیں۔ چنانچہ ”Full Time Mothers“ نامی تنظیم کا سربراہ جل کر بی کہتا ہے کہ ”ایسی خواتین کے لیے مالی فوائد ہیں جو کام کرتی ہیں لیکن گھر بیٹھی خواتین کے لیے کوئی مالی فائدہ نہیں“

بدقتی سے وہ مسلم خواتین جو مغرب میں رہ رہی ہیں وہ اس سوچ سے بہت متاثر ہوئی ہیں کہ اپنی اس زندگی میں ایک کامیاب کیریئر حاصل کرنا باقی تمام مقاصد سے بڑھ کر ہے۔ وہ بھی اب یہ یقین رکھتی ہیں کہ یہ کیریئر ہی ہے جو کہ عورت کو معاشرے میں معیشت میں لکھا حصہ ڈال رہی ہے۔

اسی طرح مغربی معاشرے میں تذکیرہ تائیش کا معاشرے میں کردار کے حوالے سے بہت بڑی تبدیلی آئی ہے کہ ایک خاندان میں عورت کو بھی مکانے کا اتنا ہی حق ہونا چاہیے جتنا کہ مرد کو۔ چنانچہ 1996 میں کیمبرج یونیورسٹی کی رپورٹ کے مطابق لوگوں کی اس

مزید یہ اسلامی دنیا میں ایسے تصورات کو پروان چڑھانے کے لیے UNIFEM، اقوام متحدة کا ترقیاتی پروگرام (UNDP)، اقوام متحدة کا فنڈ برائے آبادی (UNPF) اور دوسرے غیر سرکاری ادارے حوصلہ افزائی کرتے نظر آتے ہیں۔ 2001 میں UNDP کی طرف سے پاکستان میں ”میڈیا میں عورت کو کیسے پیش کیا جائے“ کے عنوان سے ایک سروے کیا گیا جس میں یہ رائے دی گئی کہ ٹی وی کے ڈراموں اور پروگراموں میں خواتین کو بہادر اور پ्र اعتماد کردار میں دکھایا جانا چاہیے اور اس سوق کو ختم کیا جانا چاہیے کہ ایک کامیاب کیریئر کی حامل خاتون آئندیل یہوی یا ماں نہیں بن سکتی۔

”کامیاب عورت“ کے مغربی معیار کا اصل مأخذ یہ سوچ کہ کامیاب کیریئر کی حامل خاتون ہی ”کامیاب عورت“ ہوتی ہے، سرمایہ دار اہم نظام سے لیا گیا ہے۔ جس میں مادی فائدے اور نفع کی بنیاد پر کامیابی کو جانچا جاتا ہے۔ چنانچہ وہ خاتون جو کار و بار کرتی ہے، ڈاکٹر ہے، وکیل ہے یا وہ اکاؤنٹنٹ ہے تو وہ کامیاب عورت ہے۔ کیونکہ یہ معاشری حافظے معاشرے میں اپنا حصہ ڈالتی ہے۔ چاہے وہ یہ حصہ خدمات کی شکل میں دے رہی ہو یا پھر ٹیکس کی شکل میں حکومت کو ادا کر رہی ہو۔ اسی طرح ان کے نزدیک ایک گھریلو ماں یا یہوی معاشرے میں کوئی حصہ نہیں ڈال رہی ہوتی۔ اس لیے اسے منفی نقطہ نگاہ سے دیکھا جاتا ہے نہ کہ کامیابی کی عالمت کے طور پر۔ 2002 میں اسٹیوٹ آف فسل کی سٹڈیز (حکومت برطانیہ کا مشاورتی ادارہ) نے ایک روپرٹ جاری کی، جس میں یہ واضح طور پر کہا گیا کہ ”بچوں کی موجودگی ماں کے لیے روزگار کی فراہمی کی راہ میں رکاوٹ ہے اور بچوں کی دیکھ بھال کی قابل برداشت اور آسان رسائی کی کمی کی وجہ سے ماں کی کمائی براثاٹ پڑا ہے۔ صاف گوئی تو یہ ہے کہ موجودہ سڑیجی کام نہیں کر رہی اور اس کا خمیازہ معاشری نقصان کی شکل میں موجود ہے۔

تذکیرہ تائیث کا معاشرے میں کردار کی جو نئی تعریف کی گئی ہے وہ یہ ہے کہ ایک خاتون چاہے وہ

جدت پندتی زنانہ لیبری کی ضرورت کو سامنے لائی اور جسے جدید جنگ میں فوجی بھرتی کی وجہ سے کافی بڑھاوا دیا گیا... عورتوں کی میشیت میں شمولیت اور معاشرتی تبدیلیاں اسی کا نتیجہ ہیں جو جنگ کے دوران اور بعد میں بھی جاری رہیں بلکہ اسی وجہ سے عورتوں کے حق میں عورت اور مرد کو کیسے دیکھا جاتا ہے بلکہ دونوں کا کردار برابر ہونا چاہیے اور اس کا فیصلہ انفرادی ہونا چاہیے۔ اسی سے یہ نکالتا ہے کہ عورت کو مرد کے برابر روزگار کی فراہمی کا حق ہونا چاہیے اور خواتین وہ کام اور نوکریاں بھی کر سکتی ہیں جو مرد کرتے ہیں حتیٰ کہ وہ اپنی شادی سے متعلق معاملات کا فیصلہ بھی خود کرے یعنی کہ وہ بچوں کی دیکھ بھال کرے گی یا کامائے گی۔ برابری کا یہ تصور اپنے اندر ایک ظالمانہ روشن رکھتا ہے جو کہ انسانی عقل سے بنائے گئے سرمایہ دار اہم نظام میں عورت کو ہٹھنا پڑتا ہے۔

یہ تصور اس متصوب ماحول کی پیداوار ہے جب انگریز معاشرے میں عورت کے ساتھ امتیازی سلوک کیا جاتا تھا اور عورت انتہائی مشکل زندگی گزارنے پر مجبور تھی۔ حتیٰ کہ 1850ء تک انگریز قوانین کے تحت عورت کو شہری تک تصور نہیں کیا جاتا تھا۔ جس کا نتیجہ یہ تھا کہ خواتین کے حقوق اور ان کے لیے برابری کے حق کے لیے آواز بلند کی گئی اس یقین کے ساتھ کہ عورت صرف اسی طرح بہتر معيار زندگی حاصل کر سکے گی جب اس کا اپنا کیریئر ہوگا، وہ مالی طور پر خود مختار ہوگی اور معاشرے میں مردوں کے شانہ بشانہ کام کرے گی۔

یہ مسائل ان مسلم خاندانوں پر بھی اثر انداز ہو رہے ہیں جو اس نظریے سے مروع ہو چکے ہیں۔ شوہر اور یہوی کے کردار کی صحیح وضاحت نہ ہونے کی وجہ سے ان دونوں کے درمیان بحث و مباحثہ جاری رہتا ہے اور یہی بحث بالآخر طلاق کا باعث بن جاتا ہے۔ بچوں کے معاملے میں ماں اور بچے کا جو قریبی تعلق ہوتا ہے اور جسے مزید پروان چڑھنا چاہیے لیکن اس نظریے کی وجہ سے ماں کی طرف سے بچ کی پرورش اسلامی تہذیب کے مطابق نہیں ہو پاتی۔ اس کی وجہ میں کا بچے کے ساتھ کم وقت گزارنا ہے اور والدین اپنا کیریئر بنانے کے پچھے میں بچوں کو ایسی جگہوں پر داخل کر دیتے ہیں جہاں ان کی غیر موجودگی میں بچوں کی دیکھ بھال ہوتی ہے۔ جس کا نتیجہ یہ لکل رہا ہے کہ بچے غیر اسلامی شاخت اختیار کر لیتے ہیں۔ والدین کا کہنا نہ ماننا، انہیں نظر انداز کرنا، شراب پینا

حالی کا سبب بنتا ہے جیسا کہ پیچھے بیان کیا جا پکا ہے۔

السلام اور ”کامیاب عورت“ کا صحیح تصور:

اسلام کسی عمل، کام یا شخص کو اس بنیاد پر نہیں جا سکتا۔ کوئی ریاست کی معیشت میں کتنا حصہ ڈال رہا ہے۔ اسلام کسی مرد یا خاتون کو جانچنے کا پیانہ یہ بتاتا ہے کہ ان کے اعمال اللہ کے حکم کے مطابق ہیں یا نہیں اور ان کے تقویٰ کا معیار کیا ہے؟ حضور ﷺ نے اپنے آخری خطبہ جیں فرمایا: ”کسی عربی کو عجیب پر اور نہ کسی عجیب کو کسی عربی پر کوئی برتری حاصل ہے اور نہ کسی گورے کو کالے پر اور نہ ہی کسی کالے کو کسی گورے پر کوئی برتری حاصل ہے، سوائے تقویٰ اور اصل اعمال کی بنیاد پر“، اس لیے کامیاب عورت وہ ہے جو کہ پُر خلوص ہو کر اللہ کے احکامات کی پیروی کرے، اس حقیقت کو ذہن میں رکھتے ہوئے کہ یہ ہمارے اعمال ہی ہو گلے جو مرنے کے بعد ہمارے لیے جنت یا دوزخ کا فیصلہ کرائیں گے۔ یہی کامیابی کا صحیح معیار ہے۔

اسلام دین فطرت ہے چنانچہ جن معاملات میں 30 سال سے برابری کے حوالے سے قانون موجود ہیں لیکن ان معاملوں میں خواتین مردوں کے جیسا کام کرنے کے باوجود کم تشوہاب میں ہیں۔ یہ اس چیز کو واضح کرتا ہے کہ پوری صدی میں خواتین کے حقوق اور برابری پر بات کی گئی اور پھر بھی بیسویں صدی میں برطانیہ میں صرف 4 فیصد خواتین نجی گھر کے عہدے پر فائز ہیں، 11 فیصد منیر اور FTSE کی 100 میں ادا کرے اور مالی طور پر ان کی کفالت کرے۔ جبکہ عورت کا اولین فرض یہ ہے کہ وہ اپنے خاوند اور بچوں کی دلکشی بھال کرے، ان کی فلاح و ہبود کا خیال رکھے اور اپنے بچوں کی پرورش اسلامی تہذیب کے مطابق کرے۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

﴿إِنَّ رَجُلًا قَوْمُونَ عَلَى النِّسَاءِ بِمَا فَضَّلَ اللَّهُ بَعْضَهُمْ عَلَى بَعْضٍ وَّ بِمَا أَنْفَقُوا مِنْ أُمُوْلِهِمْ فَالْأَصْلَحُثُ ثُبَّتْ حَفْظُثُ لِلْغَيْبِ بِمَا حَفَظَ اللَّهُ﴾ ”مرد اور توں پر حاکم ہیں اس وجہ سے کہ اللہ تعالیٰ نے ایک کو دوسرے پر فضیلت دی ہے اور اس وجہ سے کہ مردوں نے اپنے مال خرچ کئے، پس نیک فرمانبردار اور توں خاوند کی عدم موجودگی میں بہ خفاظت

لکھتی ہیں کہ ”ہم“ unbalanced Mom میں سے کوئی ایک خاتون بھی 100 فیصد وقت اپنی نوکری کو نہیں دے سکتی، نہ 100 فیصد اپنی فیکی کو دے سکتی ہیں اور نہ ہی 100 فیصد خوداپنے لیے نکال سکتی ہیں، یہ ان کامیاب اور توں کی خستہ حالی نہیں تو کیا ہے؟ مغرب نے آزادی کے نام پر اسے ایک معاشی جنس بنانے کا رکھ چوڑا ہے۔

برابری کے تصور کی حقیقت:

یہ تصور کہ معاشرے میں تذکیرہ و تائیش کی برابری خواتین کے لیے ترقی کی راہ تعین کرتا ہے ایک فاش غلطی ہے۔ انسان کے بنائے ہوئے کسی بھی نظام میں انفرادی لحاظ سے سب کو برابری کا حق دینا ممکن نہیں چاہے یہ مرد اور عورت کے درمیان ہو یا کالے اور گورے کے درمیان یا پھر جوان اور بڑھے کے درمیان، یونکہ انسان جب بھی خود قانون بناتا ہے وہ اپنے لیے اور دوسروں کے لیے بگاڑا کا باعث بنتا ہے۔ اس لیے ہم دیکھتے ہیں کہ ترقی یافتہ ممالک میں گزارنے کی وجہ سے مستقل طور پر نہاد مسوس کرتی رہتی ہے۔ مزید یہ کہ وہ خود کو بیوی، ماں اور کام کے درمیان بہت زیادہ مصروف پاتی ہے۔ بہت سے گھروں میں ایک کیریئر و دینکن اپنی گھر کی ذمہ داریوں کو کم نہیں کر پاتی۔ وہ اپنے کیریئر کو جاری رکھنے کے لیے کام کرتی ہے لیکن گھر کے کام ایسی نوعیت کے ہوتے ہیں کہ وہ ان کو اپنے آپ سے جدا نہیں کر سکتی۔

چنانچہ خواتین کا سارا دن ایک کام سے دوسرے کام کو کرتے ہوئے گزر جاتا ہے۔ اپنی فیملی کے لیے ناشستہ تیار کرنا، شوہر اور بچوں کے لیے لٹپٹی تیار کرنا، بچوں کو تیار کر کے سکول بھیجننا، اپنی نوکری کے لیے جانا، دفتر میں پورا دن کام کرنا، پھر سکول سے بچوں کو لینے جانا، رات کا کھانا تیار کرنا، بچوں کا بستر تیار کرنا اور اگلے دن کی تیاری کرنا۔ وہ یہ محسوس کرتی ہیں کہ وہ اپنا کوئی بھی کام بہتر طور پر نہیں کر پاتیں، یونکہ ایسی خاتون بہت زیادہ تکالٹ اور ٹینشن محسوس کرتی ہے۔ ایک مغربی مصنفہ Lisa Belkin اپنی کتاب "Life's work: Confessions of an

اور منشیات کا استعمال جیسے بُرے کام مغربی معاشرے میں موجود ان مسلم خاندانوں میں عام ہیں جہاں ”کامیاب عورت“ کا یہ نظریہ اپنایا جا رہا ہے۔ ”کامیاب عورتوں“ کی خستہ حالی:

وہ لوگ جنہوں نے اصل میں خواتین اور مردوں کے درمیان برابری کا تصور دیا ہے ان کا یقین ہے کہ برابری کا یہ تصور خواتین کو ان کی خستہ حالی سے باہر نکالتا ہے۔ وہ خستہ حالی جس میں مغربی عورت کی

سالوں سے بمتلاحتی اور جسے ریاست کا شہری تک تصور نہیں کیا جاتا تھا۔ تاہم اس تصور کو اپنانے کے بعد بھی کام کرنے والی عورتیں کوئی کم خستہ حال نہیں ہیں، بس وجوہات مختلف ہیں۔ بچوں کی پیدائش میں دیریا پنج پیدا ہی نہ کرنا یہ سب کچھ اس وجہ سے ہے کیونکہ کیریئر اس بات سے متفق نہیں کہ تولیدی جبلت ہر عورت میں پائی جاتی ہے بلکہ اس کے نزدیک یہ جبلت خستہ حالی کا باعث ہے۔ وہ کیریئر و دینکن جن کے پنج ہوتے ہیں وہ اپنے بچوں کے ساتھ کم وقت

گزارنے کی وجہ سے مستقل طور پر نہاد مسوس کرتی رہتی ہے۔ مزید یہ کہ وہ خود کو بیوی، ماں اور کام کے درمیان بہت زیادہ مصروف پاتی ہے۔ بہت سے گھروں میں ایک کیریئر و دینکن اپنی گھر کی ذمہ داریوں کو کم نہیں کر پاتی۔ وہ اپنے کیریئر کو جاری رکھنے کے لیے کام کرتی ہے لیکن گھر کے کام ایسی نوعیت کے ہوتے ہیں کہ وہ ان کو اپنے آپ سے جدا نہیں کر سکتی۔

چنانچہ خواتین کا سارا دن ایک کام سے دوسرے کام کو کرتے ہوئے گزر جاتا ہے۔ اپنی فیملی کے لیے ناشستہ تیار کرنا، شوہر اور بچوں کے لیے لٹپٹی تیار کرنا، بچوں کو تیار کر کے سکول بھیجننا، اپنی نوکری کے لیے جانا، دفتر میں پورا دن کام کرنا، پھر سکول سے بچوں کو لینے جانا، رات کا کھانا تیار کرنا، بچوں کا بستر تیار کرنا اور اگلے دن کی تیاری کرنا۔ وہ یہ محسوس کرتی ہیں کہ وہ اپنا کوئی بھی کام بہتر طور پر نہیں کر پاتیں، یونکہ ایسی خاتون بہت زیادہ تکالٹ اور ٹینشن محسوس کرتی ہے۔ ایک مغربی مصنفہ Lisa Belkin اپنی کتاب "Life's work: Confessions of an

کر سکتی ہے یا سائنسدان بن سکتی ہے یا پھر استاد بن سکتی ہے اور یوں وہ اسلامی معاشرے کی اصلاح کے لیے بہت اہم کردار ادا کر سکتی ہے۔

حضور ﷺ کے دور میں بہت سی مسلمان عورتیں کام کیا کرتی تھیں۔ خود حضور ﷺ زوجِ محترمہ حضرت سوداؓ جانوروں کی کھالوں کو رنگنے کا کام کرتی تھیں۔ ایک صحابیہ حضرت کلّا تجارت کیا کرتی تھیں، بہت سی ایسی روایات موجود ہیں کہ جس سے پہتہ چلتا ہے کہ وہ حضور ﷺ سے اپنے تجارتی معاملات سے متعلق سوال کیا کرتی تھیں تاکہ ان معاملات میں اسلام کا حکم معلوم ہو سکے۔ جابر بن عبد اللہؓ کی پچھی کاشت کاری کیا کرتی تھیں۔ اسی طرح بہت سی خواتین جنگ کے دوران زخمیوں کی مرہم پٹی کیا کرتی تھیں۔ اور حضرت عمرؓ نے اپنے دورِ خلافت میں ایک عورت کو قاضی حسنه بنایا تھا۔

آخری بات:

”کامیاب عورت“ کے مغربی تصور کے مطابق عورت کی حیثیت ایک معاشرے سے زیادہ کچھ نہیں۔ وہ اسی وقت اس معاشرے کے لیے اہم ہے جب وہ کچھ کہ کر انہیں دے رہی ہے۔ استعمال کا فرقا ہتا کہ مسلمان عورتیں بھی اسی معیار کو پانیں اور اسلامی ممالک میں اس قصور کو پروان چڑھایا جائے۔ وہ تصور جوان کے اپنے معاشرے میں بدھتی اور مسائل کے علاوہ کچھ پیدا نہیں کر سکا اور جس نے عورت کو اس کی حیثیت کی حفاظت کرنے کی بجائے اسے ایک کاروباری اشتہار بنا کر کھدیا ہے۔

اسلام عورت کو اس گھٹیا طریقے سے نہیں پرکھتا۔ بلکہ اسلام میں وہ عورت ”کامیاب عورت“ کہلاتی ہے جو اللہ کے احکامات کو پورا کر رہی ہوتی ہے۔ وہ خود کو مرد سے مکتنہیں سمجھتی بلکہ وہ معاشرے میں اپنے کردار اور فرائض کو اختیار کرنے کی متعینی ہوتی ہے۔ وہ کام تو کر سکتی ہے لیکن اسے وہ اپنی کامیابی سے نہیں جوڑتی اور نہ ہی اپنے رہبے کو اپنے کیریئر سے مارپتی ہے۔ وہ اللہ کے احکامات کو بجالانے کو اپنے لیے خرگا باعث سمجھتی ہے۔ ایسی عورت ہی ”کامیاب عورت“ ہے۔

کوئی پیشہ اختیار کر سکتی ہے اگر وہ ماں اور بیوی مجھے اپنے بنیادی فرائض کے ساتھ کوئی سمجھوتہ نہیں کرتی۔

تاتاًہم اسلام خواتین کو چند مخصوص پیشہ اختیار کرنے کی اجازت نہیں دیتا ہے جس کی تفصیل یوں ہے:

- 1) حکمرانی کا عہدہ جیسا کہ خلیفہ، والی یا عامل: یہ اس وجہ سے نہیں ہے کہ اسلامی معاشرے میں عورت مرد سے کمتر ہے، بلکہ اس کی ممتاز کے خاص دلائل موجود ہیں۔ حضرت ابو بکرؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ”جو لوگ ایک عورت کو حکمرانی کے عہدے پر فائز کرتے ہیں وہ بھی فلاخ نہیں پا سکتے“، مزید یہ کہ اسلام میں حکومت کرنا کوئی اعزت یا عالی مرتبہ کی چیز نہیں سمجھا جاتا بلکہ یہ ذمہ داری، لوگوں کے امور کی دلکشی بھال اور ایسا کام جس کا محاسبہ ہوتا ہے، کام عامل ہے۔

2) کوئی بھی ایسا کام جس میں عورت کی نسوانیت کا ناجائز کردہ اٹھایا جائے: عورت ایسا کوئی پیشہ اختیار نہیں کر سکتی جس میں کوئی نویعت اس کی نسوانیت پر مرکوز ہو جیسا کہ ماذلگ اور تشبیر کا کام وغیرہ۔ اسی طرح وہ ایسا کام بھی نہیں کر سکتی جس میں اسے ناخموں کی موجودگی میں (ہاتھ اور چہرے کے علاوہ) اپنے استھان پر اپنے یا اس کام میں اپنے ناخموں کو اپنی خوبصورتی کی طرف مائل کرنا پڑے۔ یہ اس وجہ سے ہے کہ اسلام نے عورت کو عزت سے نوازا ہے اور اس پر فرض ہے کہ وہ اس کی حفاظت کرے تاکہ اس کی نسوانیت کو ایک معاشری چیز سمجھا جائے۔

چنانچہ مسلمان عورت کو یہ تسلی ہونی چاہیے کہ وہ ان کے علاوہ کوئی بھی پیشہ اختیار کر سکتی ہے جو اسلامی احکامات پر پورا ارتقا ہو اور جو اسلامی معاشرتی حدود کے اندر ہو۔ اور یہ بات بھی یقینی ہو کہ اس کام میں کسی ناخم مرد کے ساتھ خلوئی یعنی ایکی مرد کے ساتھ تہائی تو شامل نہیں تاکہ کوئی بھی اس کے کردار پر انکلے نہ اٹھا سکے اور نہ ہی کسی قسم کے شک کا سبب بن سکے۔ نیز یہ پیشہ مردوں کے ساتھ اختلاط کا باعث نہ ہو اور جتنا ممکن ہو سکے اس میں مردوں کے ساتھ قربتی تعلقات کی ضرورت درکار نہ ہو۔

چنانچہ ان پابندیوں کو سامنے رکھتے ہوئے ایک عورت ڈاکٹر بن سکتی ہے، انجینئر بن سکتی ہے، کاروبار

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: ”النساء: 34)

اللہ نے مردوزن کی ذمہ داریاں بانٹ دیں۔ چنانچہ اسلام نے مرد پر جو ذمہ داری عائد کی ہے وہ ماں یا بیوی کے کردار سے بڑھ کر نہیں، بلکہ اس پر عائد کی گئی ذمہ داری کا وہ جوابدہ ہے۔ دونوں فرائض ایک دوسرے کے لیے قابل قبول ہیں اور خاندان کو باحسن طریقے سے چلانے کے لیے نہایت ہی ضروری ہیں تاکہ معاشرہ صحیح طور پر کام کر سکے اور اس میں سکون ہو۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

﴿وَلَا تَسْمَنُوا مَا فَضَّلَ اللَّهُ بِهِ بَعْضَكُمْ عَلَىٰ بَعْضٍ لِلرِّجَالِ نَصِيبٌ مِمَّا أَكْتَسَبُوا وَلِلنِّسَاءِ نَصِيبٌ مِمَّا لَمْ يَكُنْ أَنْتُمْ كَرِهُونَ﴾ اور اس چیز کی آرزو نہ کرو جس کے باعث اللہ تعالیٰ نے تم میں سے بعض کو بعض پر فضیلت دی ہے۔ مردوں کو ان کے کاموں کا اجر ہے جو انہوں نے کئے اور عورتوں کو ان کے کاموں کا اجر ہے جو انہوں نے کئے۔ (النساء: 32)

براہبری کا مغربی تصور انسانی اختراع ہے جو فطرت میں بکاڑ پیدا کرتا ہے اور اسلام میں ایسے تصور کی کوئی گنجائش موجود نہیں۔ اسلام میں تمام احکامات خالق باری تعالیٰ کی طرف سے نازل کر دہ ہیں جو مرد اور عورت دونوں کے لیے منصفانہ ہیں۔ مزید یہ کہ اسلام بنی نوع انسان کو یہ اجازت نہیں دیتا کہ وہ معاشرے میں اپنی مردی یا دلی پسند اور ناپسند کے مطابق اپنے فرائض منصبی کا تعین کرے، بلکہ اس پر فرض ہے کہ وہ اللہ کی طرف سے عائد کردہ فرائض کو من عن قبول کرے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَلَا مُؤْمِنَةٍ إِذَا قَضَى اللَّهُ وَرَسُولُهُ أَمْرًا أَنْ يَكُونَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ أَمْرِهِمْ وَمَنْ يَعْصِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ فَقَدْ ضَلَّ ضَلَالًا مُّبِينًا﴾ اللہ اور اس کا رسول ﷺ جب کوئی فیصلہ کریں تو کسی مومن مرد یا عورت کے لیے اس فیصلے میں کوئی اختیار نہیں (یاد رکھو) اللہ اور اس کے رسول کی جو بھی نافرمانی کرے گا وہ صریح گمراہی میں پڑے گا، (الاحزاب: 36)

اسلام میں ایک عورت کے لیے جائز پیشے: اسلام میں یہ بات بالکل واضح ہے کہ ایک عورت



سعودی عرب کے شہر ریاض میں ہونے والی عرب کانفرنس دراصل امریکہ نے منعقد کی!

جس کا ہدف مسلمانوں کے امور بالخصوص مسئلہ فلسطین پر کاری ضرب لگانا تھا

قانونی دستاویزات کے مطابق ان علاقوں پر کسی قائم کوئی دعویٰ نہیں ہوگا!

امریکہ عرب حکمرانوں سے یہ قانونی ہتھیار حاصل کرنا چاہتا تھا، جس کی بعد میں فلسطین کے لوگ تو شیق کریں۔ لیکن اُس وقت فلسطینی اتحارٹی پر ایسے لوگوں کی حکمرانی تھی جو سیکولر کہلاتے تھے، جبکہ امریکہ چاہتا تھا کہ اس دستاویز کی تو شیق ایسی فلسطینی حکومت کرے جو سیکولر اور اسلامی دونوں طرح کے لوگوں کی نمائندگی پر مشتمل ہو۔ یہ اس بات کے مترادف ہوگا کہ اہل فلسطین بذات خود مجموعی طور پر 1948ء کے مقبوضہ علاقوں سے دبپدار ہو گئے ہیں، نہ کہ صرف عرب حکمران! یہ امن منصوبہ پانچ سال تک سرد خانے میں پڑا رہا یہاں تک کہ مکہ معاهدہ طے پایا، جو تمام بین الاقوامی اور علاقائی معاهدات کی پابندی کرنے اور ان کا احترام کرنے کا مطالبہ کرتا ہے۔ جس کا دوسرا مطلب یہودی ریاست کو تسلیم کرنا ہے۔ اس پس منظر کے ساتھ فلسطین میں قوی حکومت تشکیل دی گئی، جس نے اس عرب امن اقدام کو قبول کرنے کا عنديہ دیا۔ یہ عرب اقدامی منصوبہ چند معمولی اور غیر اہم تفصیلی تبدیلیوں کے علاوہ معاهدہ مکہ سے چند مخفف نہیں۔ امریکہ کے مطابق اب سیکولر اور اسلامی لوگوں کی قوی حکومت کی شکل میں تمام فلسطینیوں کو نمائندگی حاصل ہے، لہذا امریکہ نے اس منصوبے کو زندہ کرنے کا ارادہ کیا اور اسے ریاض میں عرب حکمرانوں کی کانفرنس کے سامنے پیش کیا تاکہ اس منصوبے کو حقیقی شکل دی جائے۔ عرب حکمرانوں کی طرف سے اس طرح کی پے در پے رعایتوں اور دبپداریوں نے نیوکرزویویز کو اس قابل بنایا کہ وہ

واشنگٹن پر واضح کیا تھا کہ وہ امید کرتی ہے بلکہ وہ اس بات کو یقینی بنائے گی کہ عرب حکمران The Arab Peace Initiative یعنی "عرب امن اقدام" کے منصوبے کا اعلان کریں، جسے انہوں نے 2002 کی بیروت کانفرنس میں تسلیم کیا تھا اور وہ اس پر اسی طریقے سے عمل درآمد کریں جیسا کہ انہیں بتایا گیا ہے۔ اس امریکی تصدیق اُس وقت ہو گئی جب آج حتیٰ اعلامیہ جاری کیا گیا جس میں واضح طور پر "عرب امن اقدام" کے منصوبے میں روح پھوٹکنے کی ضرورت پر زور دیا گیا ہے، جو بنیادی طور پر ایک امریکی سازش ہے، جسے تھام فرایڈ میں نے وضع کیا تھا اور جسے شہزادہ عبداللہ نے اختیار کیا اور 2002 کی بیروت کانفرنس میں پیش کیا۔ بیروت کانفرنس نے اس منصوبے کو قبول کیا اور اسے "عرب امن اقدام" کا نام دیا۔

یہ امریکہ ہی تھا جس نے "نیوکرزویو" انتظامیہ کے تحت اس بات کو پختہ کیا کہ عرب حکمران واضح اور غیر مشروط انداز میں اور کھلماں کھلا طور پر یہ تسلیم کریں کہ فلسطین کا مسئلہ ان علاقوں تک ہی محدود ہے جس پر اسرائیل نے 1967ء میں قبضہ کیا تھا، اور اس میں وہ علاقے شامل نہیں جن پر اسرائیل نے 1967ء سے قبل قبضہ کیا تھا۔ یہ تباہ اس فرمی ورک کے اندر ہے اور اس کے علاوہ کچھ نہیں اور کسی فلسطینی ریاست کے قیم کے لیے لو اور دو کی بیانیہ پر ہونے والے مذاکرات اسی فرمی ورک تک محدود ہوں گے۔ جہاں تک فلسطین کے اُن علاقوں کا تعلق ہے جن پر یہودی ریاست کی طرف مزید قدم بڑھائیں اور جو کچھ اب تک انہوں نے کیا ہے اس سے زیادہ کریں، تاکہ یہودی اس بات پر قائل ہو سکیں کہ ان کی سرزی میں، کو زیادہ سے زیادہ محفوظ بنایا جائے گا۔ درحقیقت اپنے دورے کے آغاز سے قبل رائس نے

28 اور 29 مارچ 2007 کو عرب حکمرانوں نے ریاض میں 19 دیں عرب کانفرنس منعقد کی۔ اگرچہ امریکہ اس کانفرنس کے اجلاس میں براور است شریک نہ تھا اگر امریکہ کی سیکریٹری آف سیٹ کو نہ لیزا رائنس کا عکس کانفرنس کی کارروائی کے دوران سب سے نمایاں تھا۔ رائس بذات خود تو مصر کے شہر اسوان میں تھی مگر کانفرنس سے کچھ ہی ر حصہ قبل 24 مارچ کو اس نے کانفرنس میں شریک حکمرانوں اور ان کے سیاسی اور امنیل جنس عہدیداروں کا اجلاس طلب کیا تاکہ وہ انہیں کانفرنس کے ایجاد کے اور کارروائی کے متعلق بریف کر دے اور انہیں صدر بخش کی اس خواہش کی یاد ہانی کرائے کہ عرب حکمرانوں کو چاہئے کہ وہ یہودی ریاست کی طرف گرم جوشی دکھائیں اور اسے مصالحت آمیز اشارے دیں تاکہ گذشتہ جولائی کی شکست کے بعد یہودی ریاست کو تسلی دی جائے اور اطمینان دلایا جائے!

اس کے بعد کوئی الیز ارائس خطے سے روانہ نہیں ہوئی بلکہ وہ عرب کانفرنس سے ایک رات قبل تک مصر، اردن اور فلسطین کا پچکر لگاتی رہی، تاکہ وہ اس بات کو یقینی بنائے کہ عرب کانفرنس کی کارروائی اس کی ہدایات کے عین مطابق طے پائے! 27 مارچ کو اپنے دورے کے اختتام سے قبل اس نے عرب حکمرانوں کو نصیحت کرتے ہوئے یہ نقطہ ان کے سامنے رکھا کہ وہ یہودی ریاست کی طرف مزید قدم بڑھائیں اور جو کچھ اب تک انہوں نے کیا ہے اس سے زیادہ کریں، تاکہ یہودی اس بات پر قائل ہو سکیں کہ ان کی سرزی میں، کو زیادہ سے زیادہ محفوظ بنایا جائے گا۔ درحقیقت اپنے دورے کے آغاز سے قبل رائس نے

یہ سب حاصل کر لیں گے اور وہ پر اعتماد ہیں کیونکہ جنہوں نے 1948ء کے مقبوضہ فلسطین کو ان کے حوالے کر دیا ہے 1967ء کے فلسطین سے بھی تھوڑا تھوڑا کر کے دستبردار ہو جائیں گے اور انہیں اللہ یا اس کے رسول ﷺ یا مومین سے کوئی شرمندگی نہ ہوگی۔ جیسا کہ مقولہ مشہور ہے: ”جو ذلت کو پسند کرتا ہے اس کے لیے ذلت آسان ہو جاتی ہے“ اور ”مرد کے کوئی ختم کی تکلیف نہیں ہوتی۔“

ریاض میں اعلان کردہ یہ امن اقدام یہودیوں کے لیے تھا ہے جو اس تنخ سے بڑھ کر ہے جو انہیں 2002 کی یروت کافرنز میں دیا گیا کیونکہ عرب حکمرانوں نے 1967ء کے مقبوضہ علاقے کے کچھ حصے پر ایک چھوٹی سی ریاست کے بدلتے 1948ء کے مقبوضہ فلسطین سے دستبرداری کے سودے کی قانونی دستاویز پر دستخط کر دیے ہیں۔ جو چیز یہودیوں کے لیے سونے پر سوہاگہ ہے وہ یہ ہے کہ اس مرتبہ سودے بازی کی اس دستاویز پر فلسطین کی متحده قومی حکومت نے بھی دستخط کر دیے ہیں جس میں سیکولر لوگوں کے ساتھ ساتھ وہ لوگ بھی شامل ہیں جو اسلام پسند کھلاتے ہیں۔ دراصل یہی وہ چیز ہے جس کی طرف سعودی عرب کے سعود افسوس نے اشارہ کیا، جب اس سے سوال کیا گیا کہ اس کافرنز میں نئی چیز کیا ہے تو اس نے اپنے جواب میں اس بات پر پروردی کر فلسطین کی متحده قومی حکومت نے عرب ممالک کے ساتھ عرب اسرائیل تباہی کے حل کی تلاش کے لیے عرب لائچ عمل پر اتفاق کیا ہے۔

ایے مسلمانو! عرب کافرنز کے موقع پر عرب حکمرانوں نے مسئلہ فلسطین کو نقصان پہنچانے پر ہی اکتفاء نہ کیا بلکہ وہ مسلمانوں کے تمام مسائل کے متعلق امیت مسلمہ کو ختم لگاتے رہے ہیں:

انہوں نے صومالیہ کی عبوری حکومت کی حمایت کی جسے امریکہ نے بنایا تھا، جس نے امریکی احکامات کے تحت ایک چھوپیا کی افواج کے صومالیہ پر قبضے کی راہ ہموار کی۔ جب فرانس نے اپنے ایجنسٹ چاؤ کے ذریعے دارفور کے تباہی کے علاقے کو ہوا دی تو عرب حکمرانوں نے ایک لفظ بھی زبان سے نکالنا گوارہ نہ کیا، اور یوں

ساتھ خیانت ہے۔ اور اس کا ارتکاب کرنے والے اس دنیا میں بھی ذلیل و رسوایوں گے اور آخرت میں دردناک عذاب میں بٹلا کیے جائیں گے، اگر وہ دائمی اس بات کو جانیں۔ اور اگر کوئی شخص اس بات کو نظر انداز کرنے کو ترجیح دیتا ہے، تو اسے یہ جان لینا چاہئے کہ یہ امن اقدام اور اس طرح کے ہزاروں اقدام بھی کی قبولیت کو دوبارہ پختہ کرنے میں کامیاب ہو گیا ہے، اور یہ تاثر دینے میں کامیاب ہو گیا ہے کہ فلسطین کے لوگ اس امن اقدام کے منصوبے کو قبول کرتے ہیں۔

عرب حکمران اس امن اقدام کی قبولیت ظاہر کرتے ہوئے جشن مناہر ہے یہیں جبکہ یہ مخفی ذلت و رسولی اور یہودیوں کے سامنے واضح پسپائی ہے۔ وہ اس بات پر مطمئن ہیں کہ اس منصوبے کے ذریعے وہ 1967ء کے مقبوضہ فلسطینی علاقے کو حاصل کر لیں گے اور فلسطینی ریاست قائم کر سکیں گے۔ دراصل یہ اس بات کا اعتراف ہے کہ وہ یہودیوں کا مقابلہ کرنے، انہیں شکست دینے اور تمام فلسطین کو آزاد کرنے کی طاقت نہیں رکھتے!

درحقیقت یہ عرب حکمران جھوٹ بول رہے ہیں۔ اگر یہ حکمران اپنی افواج کو تحریر کریں اور ہر قابلیت رکھنے والے مسلمان کو ان افواج کے ساتھ شامل ہو جانے کی طرف پکاریں، تاکہ یہودیوں کے ساتھ ایک حقیقی جنگ لڑی جائے (نہ کہ ماضی کی مانند ایک مصنوعی جنگ) تو یہ یہودی ریاست کو مٹانے کے لیے کافی ہے۔

اگر مسلمانوں کی سرزمین کا ایک بالشت برابر ٹکڑا بھی مقبوضہ ہو تو یہ امر مسلمانوں سے اس بات کا مطالبہ کرتا ہے کہ اسے آزاد کرانے کے لیے افواج کو تحریر کیا جائے اور یہ کہ مسلمان قابض طاقت کے ساتھ حالت جنگ کو اس وقت تک برقرار رکھیں جب تک کہ اس بالشت برابر میں کوئی قابض طاقت سے آزاد نہ کرایا جائے۔

ہمیں یہ نہیں بھولنا چاہئے کہ 1967ء کے مقبوضہ علاقے پر ریاست قائم کرنے کے بدلتے 1948ء کے مقبوضہ فلسطین سے دستبرداری ایک عظیم غداری اور اللہ اور اس کے رسول ﷺ اور مومین کے

کہا: تاکہ تمہارے پروردگار کے سامنے معدودت کر سکیں اور شادکوہ تقویٰ اختیار کریں،“ (الاعراف: 164)

ہم اللہ کے سامنے ہی معدودت کرتے ہیں۔

شامد اس بیان سے سوئے ہوئے جاگ جائیں یا غداروں کو چھوڑ جاسکے۔

﴿يَا يَهُا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَخُونُوا اللَّهَ وَ الرَّسُولَ وَ تَخُونُوا أَمْنِتُكُمْ وَ أَنْتُمْ تَعْلَمُونَ﴾

”اے ایمان والو! اللہ اور رسول سے خیانت نہ کرو اور نہ ہی اپنی امنتوں میں خیانت کرو اور تم تو بخوبی علم رکھتے ہو،“ (الانفال: 27)

علاوہ ازیں یہ حکمران حقائق کو توڑتے مروذتے ہیں اور حق بات کو چھپاتے ہیں۔ وہ فلسطین، عراق، سوڈان، صومالیہ اور لبنان کے متعلق قراردادوں کو ” واضح فتح“، قرار دیتے ہیں۔ اللہ انہیں تباہ کرے، یہ کس طرح امت کو دھوکہ دیتے ہیں!

اے مسلمانو! امت پر مسلط یہ حکمران امت کے لیے ایک لعنت ہیں۔ جو بار بار امت کو دھوکہ دیتے ہیں۔ اگر قرآن کی یہ آیت نہ ہوتی تو ہم اس کا فرنز

کے موقع پر کوئی بیان جاری نہ کرتے:

﴿لَمْ تَعْظُمْ قَوْمًا إِنَّ اللَّهَ مُهْلِكُهُمْ أَوْ مُعَذِّبُهُمْ عَذَابًا شَدِيدًا طَالُوا مَعْذِرَةً إِلَى رِبِّكُمْ وَ لَعَلَّهُمْ يَتَفَقَّنُ﴾

”تم ایسے لوگوں کو کیوں نصیحت کرتے ہو جن کو اللہ بلاک کرنے والا یا سخت عذاب دینے والا ہے، تو نہیں نے

سوڈان میں امریکی اور برطانوی فوج کی مداخلت کی راہ ہموار ہوئی۔ عرب حکمرانوں نے اس بحران کے پیچھے کا فرماصل و جوہات کے متعلق کچھ سہ کہا اور جب بحران اپنے عروج پر تھا تو انہوں نے اسے نظر انداز کرنے کو ترجیح دی۔ جب امریکہ نے عراق پر قبضہ کیا تو یہ حکمران تالیاں بجاتے رہے! اور جب عراق میں مقبوضہ افونج کی درندگی میں اضافہ ہوا تو ایک شخص دیکھ سکتا ہے کہ اس دوران امریکہ اور عرب حکمرانوں کی دوستی اور محبت میں مزید اضافہ ہو گیا۔ اسی طرح ان حکمرانوں نے لبنان کے مسئلے کو فرنز اور امریکہ کے رحم و کرم پر چھوڑ دیا، جو اس مسئلے پر آپس میں بردآزمائی ہے، اور خود خاموشی سے منہ دوسری طرف پھیر لیا!

باقیہ صفحہ نمبر 24 سے

اسلام پولیس شیٹ کے انداز میں حکومت کرنے کو حرام قرار دیتا ہے

حزب التحریر

10 ربیع الاول 1428ھ



پورا کرنا اسلامی ریاست کے لیے لازم ہے۔ اسی طرح اسلامی ریاست پر واجب ہے کہ اس کے پاس اتنی جنس کا دوہرہ نظام موجود ہو جس کے ذریعے وہ کفار کی جانب سے اپنے خلاف جاسوی کی کوششوں کو ناکام بنا سکے۔ بخاری نے سلمہ بن الاکوعؑ سے روایت کیا: (أَتَى النَّبِيُّ عَلَيْهِ السَّلَامُ عَيْنَ مِنَ الْمُشْرِكِينَ وَ هُوَ فِي سَفَرٍ ، فَجَلَسَ عَنْ أَصْحَابِهِ يَتَحَدَّثُ ، ثُمَّ اغْتَلُوا ، فَقَالَ النَّبِيُّ عَلَيْهِ السَّلَامُ اطْلُبُوهُ وَ اقْتُلُوهُ . فَقَتَلُوهُ ، فَقَاتَلُوهُ ، سَلَّمَهُ) ”ایک سفر کے دوران رسول اللہؐ نے مشرکین کے ایک جاؤں کو دیکھا جو رسول اللہؐ کے صحابہؓ کے ساتھ بیٹھا اور ان سے بات چیت کرنے کے بعد کٹ کر ہوا۔ اس پر رسول اللہؐ نے فرمایا: اس کے پیچھے جاؤ اور اسے قتل کر دو پس میں نے اسے قتل کر دیا تو رسول اللہؐ نے مجھے اس جاؤں کا مال بطور غیمت عطا کیا“

اور احمد نے فرات بن حیان سے یہ بات روایت کی: (أَنَّ النَّبِيَّ عَلَيْهِ السَّلَامُ : ((أَمْرَ بِقَتْلِهِ)) وَ كَانَ عِيْنًا لِأَبِي سَفِيَّانَ وَ حَلِيفًا فِيمَرَ بِحَلْقَةِ الْأَنْصَارِ فَقَالَ : إِنِّي مُسْلِمٌ ، قَالُوا : يَا رَسُولَ اللَّهِ إِنَّهُ يَزْعُمُ أَنَّهُ مُسْلِمٌ فَقَالَ : إِنَّ مِنْكُمْ رِجَالًا تَكْلِمُهُ إِلَى إِيمَانِهِمْ مِنْهُمْ فَرَاتُ بْنُ حَيَّانَ) ”کرسوں اللہؐ نے اسے (یعنی فرات کو) قتل کرنے کا حکم دیا۔ وہ جاؤں تھا اور ابوسفیان کا حلیف تھا۔ وہ انصار کے حلقت کے پاس سے گزارا اور کہا میں مسلمان ہوں۔ تو انصار میں سے ایک شخص نے کہا: اے اللہ کے رسولؐ! کہتا ہے کہ میں مسلمان ہوں۔ رسول اللہؐ نے جواب دیا: ”تم میں سے ایسے مرد ہیں جن کے ایمان کا ہم اعتبار کرتے ہیں اور فرات بن حیان ان میں سے ایک ہے“

بخاری نے علی بن ابی طالبؑ سے روایت کیا: (بَعْثَيْ رَسُولُ اللَّهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ أَنَا وَ الْزَّبِيرُ وَ الْمَقْدَادُ بْنُ الْأَسْوَدِ قَالَ : اَنْطَلَقْتُ حَتَّى تَأْتُوا رَوْضَةَ خَاخَ ، فَإِنْ بَهَا ظُعِنَّةً وَ مَعْهَا كِتَابٍ ، فَخَذُوهُ مِنْهَا فَانْطَلَقْنَا بَعْدَ بَنِ خَيلَنَا حَتَّى اَنْتَهَيْنَا إِلَى الرَّوْضَةِ ، فَإِذَا نَحْنُ بِالظُّعِنَّةِ ، فَقَلَّا : أَخْرَجَيَ الْكِتَابَ فَقَالَتْ : مَا مَعِيْ مِنْ كِتَابٍ ، فَقَلَّا : لَتُخْرِجَنَّ الْكِتَابَ أَوْ لَتُلْقِيَنَّ الشَّيْبَ ، فَأَخْرَجَتْهُ مِنْ عَقَاصِهَا ، فَأَتَيْنَا بِهِ رَسُولَ اللَّهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ ...) ”رسول اللہؐ نے مجھے زیرؑ اور مقداد بن اسودؑ کے ساتھ پہنچا اور کہا: تم روانہ ہو جاؤ یہاں تک کہ تم خاخ کے باع میں پہنچو۔ وہاں تھیں اونٹ پر سورا ریک عورت ملے گی جو کہ ایک خط لے کر جا رہی ہے پس تم اس سے وہ خط لے لو۔ ہم تیز رفتاری سے روانہ ہوئے یہاں تک کہ ہم باع تک جا پہنچے اور ہمیں اونٹ پر سورا عورت نظر آئی۔ ہم نے اس سے کہا: خط کنالو۔ اس نے کہا: میرے پاس کوئی بخوبیں ہے۔ ہم نے کہا: کنالو، ورنہ تم تمہارے کپڑے سے تار کر لے لیں گے۔ تو اس نے اپنے جوڑے میں سے خط کنال کر کہا رے جو اور ہم اسے لے کر رسول اللہؐ کے پاس آگئے...“

ان تمام دلائل سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ اسلام میں ”پولیس اسٹیٹ“ کا کوئی تصور نہیں اور ریاست کے لیے جبر و وقت کے بل پر حکومت کرنا حرام ہے۔ اور جبر و استبداد پر میں حکومت مسلمانوں کے لیے نقصان دہ ہے اور یہ حکام شریعت کے منافی کے اور شریعت کے اصول کے بھی خلاف ہے: ((لا ضرر و لا ضرار)) ”نَلْفَاظُنَّ حَسَابٌ نَّقْصَانٌ أَنْهَاكُ“ اس طرح یہ بھی واضح ہو گیا کہ اسلام ریاست کے لیے اتنی جس کے ایسے ادارے قائم کرنا حرام ہے جو اس کے اپنے باشندوں کی جاسوی کریں خواہ وہ مسلمان ہوں یا غیر مسلم، نیز مسلمانوں کو ایسا اپنچانا حرام ہے۔

اور یہ بات بھی ظاہر ہو گئی کہ دشمن کفار کی جاسوی کرنے، ان کے متعلق معلومات کلھی کرنے اور ان کی طرف سے ریاست کے خلاف جاسوی کے سڑ باب کے لیے اتنی جس ایجنسیوں کا قیم ریاست پر فرض ہے۔

تبصرہ نگار: جنید احمد

یوم پاکستان پریڈ

حکومت پاکستان نے اس سال 23 مارچ کو یوم پاکستان پریڈ کا انعقاد کیا جسے کچھ عرصہ تک کچھ نامعلوم و جوہات کی بنا پر بند کر دیا گیا تھا۔

تجزیے کی مثال ایسے ہی ہے جیسے کوئی شخص کسی دوسرے کو زہر کا پیالہ پلا دے اور جب وہ مرنے لگتا پلانے والا شخص چلا آٹھے کہ "دیکھو یہ مر رہا ہے"۔ حقیقت تو یہ ہے کہ آج پاکستان کی معیشت جس دلدل میں دھنسی ہوئی ہے اسکی ذمہ داری جہاں ایک طرف ہمارے غیر مخصوص حکمرانوں اور دورانیشی سے عاری پالیسی ساز اداروں پر آتی ہے وہیں پہ آئی ایک ایف اور ولڈ بینک کا کردار بھی بہت واضح اور اہم ہے۔

یہ ادارے استعماریت اور سرمایہ دارانہ معاشری نظام کے وہ ہتھیار ہیں جن کو استعمال کر کے مغرب اس امت کے وسائل کو پوستا ہے اور یہ امت غربت و افلاس کی چکلی میں پستی ہے۔ سرمایہ دارانہ نظام کی تو بنیاد، ہی اس بات پر ہے کہ غریب اور تنگی کا ہونا اس نظام کی کامیابی کی علامت سمجھا جاتا ہے۔ اس کے عرصے اسلام کا نظام معیشت دولت کی منصافانہ تقسیم اور چند ہاتھوں میں دولت کے سنتے کرو کرتا ہے۔ خلافت کی 1300 سالہ روشن تاریخ اس امریکی دلیل ہے۔ جب خلیفہ زکوٰۃ کے اہل لوگوں کو ڈھونڈتا تھا مگر اُسے ایسے لوگ ہی نہ ملے جو زکوٰۃ کے اہل ہوں۔ یقیناً اسلام کا معاشری نظام ہی اس امت میں امیر اور غریب کے درمیان موجود اخلاق کو پُرد کر سکتا ہے۔

امریکہ کی عراق سے باعزت واپسی کے لئے اسلامی امن فوج تشكیل دی جائے۔

مشائیخ

سینٹ کی خارجہ امور کیمیٹی کے چیئر مین سینٹر مشاہد حسین نے بیان دیا ہے کہ عراق سے امریکہ کی واپسی کے لئے اسلامی امن فوج تیار کی جائے جو پاکستان، اندونیشیا، مالیشیا، بھلکہ دیش اور ناجیر یا جیسے ممالک پر مشتمل ہو جن کی سرحدیں عراق سے نہیں ملتیں۔ عراق میں مجاہدین کے خلاف بڑی طرح ناکام ہو جانے کے بعد امریکہ نے خطے میں اپنے ایجمنوں کو متحرک کر دیا ہے تاکہ مزاحمت کو کم کرنے کے لئے عراق میں مسلم افواج کو استعمال کیا جائے۔ گذشتہ

علمی بینک کی رپورٹ

علمی بینک کے سینٹر مشیر جان وال نے ایک انتروپی میں کہا کہ پاکستان میں عدم مساوات بڑھ رہی ہے اور امیر تیزی سے امیر ترین جگہ غریب مزید غریب ہو رہا ہے۔ انہوں نے یہ بھی کہا کہ ماضی کے مقابلے میں امیر اور غریب کے درمیان یہ خلچ و سیع ہوئی ہے۔ ولڈ بینک کی طرف سے آنے والے اس

مسئلہ کشمیر اور پاکستانی حکمرانوں کی غداری

پاکستان اور بھارت کے درمیان کمپوزٹ ڈائلگ (Composite Dialogue) کے چوتھے مرحلے کے لئے بھارتی سیکرٹری خارجہ شو شنکر شنین پاکستان کے دورے پر آئے۔ ان کے اس دورے میں پاکستان کا مقصد پرویز مشرف کے چار نکالی منصوبے کے جواب میں بھارت کے عمل کو جانتا ہے جبکہ بھارت کے خارجہ سیکرٹری کا اس قسم کا کوئی ارادہ نہیں۔ یاد رہے کہ اس دورے سے ایک روز قبل نئی دہلی میں کانگریس کا ایک اعلیٰ اجلاس ہوا جسکی صدارت من موہن سنگھ نے کی اور اس میں کانگریس پارٹی کی صدر سونیا گاندھی اور مقبوضہ کشمیر کے کٹھ پتلی وزیر اعظم غلام نبی آزاد نے بھی شرکت کی۔ اس اجلاس میں دہشت گردی کے خطرات میں کمی تک فوجی اخلاع کے امکان کو مسترد کر دیا گیا۔ بھارتی سیکرٹری خارجہ نے بھی پاکستان کی حکومت سے یہی مطالبہ کیا کہ وہ بھارت کے خلاف سرگرم دہشت گرد عناصر اور تربیت کیمپوں کا خاتمه کرے۔ کیا یہ ہمارے لئے لمحہ فکر نہیں کہ وہ کشمیر جسکے مسلمان 60 سال سے پاکستان کے ساتھ متعلق کے لئے قربانی دے رہے ہیں اور جو ہمارا حق ہے اس سے دستبرداری کے منصوبے کو بھی بھارت کی حکومت ٹھکرا رہی ہے۔ بے حصی اور غلامی کی اس سے بڑی دلیل اور کیا ہو سکتی ہے کہ ہمارے حکمران ہندوستان کے سامنے ماتھا لیکے ہوئے ہیں اور وہ پھر بھی انہیں زدو کوب کر رہا ہے۔ یقیناً ان جیسے حکمرانوں کے بارے میں ہی اللہ کے نبی ﷺ نے ارشاد فرمایا۔ کہ "قیامت کے دن ہر غدار کے ہاتھ میں ایک علم ہو گا جس سے وہ پہچانا جائے گا۔ جس کا چتنا بڑا علم ہو گا وہ اتنا بڑا غدار ہو گا اور یاد رکھو سب سے بڑی غداری حکمران کی غداری ہے"۔

مہینوں میں 34 ارب روپے کے فنڈز کا کھٹکے کئے جکہ اس سال کا نارگٹ 18 ارب روپے تھا۔ ایک طرف جبکہ عالمی منڈی میں تبل کی قیتوں میں مسلسل کمی ہو رہی ہے حکومت پاکستان تبل اور گیس کی قیتوں میں اضافہ کر کے منافع کمارہی ہے۔ جس کے نتیجے میں قیتوں میں ہوش بر اضافے کے باعث غریب عوام کا مشیرکین کی بالادستی کو قائم کرنے کے منصوبے پر عمل پیڑا ہے۔ ہمیں اس اسلامی خلافت کی ضرورت ہے جو کہ اس خطے کے مسلمانوں کی جان مال، عزت، عقیدے اور سر زمین کا تحفظ کرے گی۔ اور ہندو مشیرکین کے غلیظ اور ناپاک منصوبوں کا مقابلہ کرتے ہوئے مسلمانوں کو بر صیر پر غالب کرے گی۔

صدارتی ریفرنس کے ذریعے چیف جسٹس آف پاکستان افتخار محمد چودھری کو ”غیر فعال“ بنانے کی حکومتی کارروائی نے ایک دفعہ پھر سرمایہ درانہ نظام کے دفعہ نعروں، عوام کی حکمرانی، عدیہ کی آزادی اور آزادی رائے کی حقیقت کا پول کھول دیا ہے۔ ماضی میں بر صیر کی تاریخ میں سب سے بھاری مینڈیٹ سے جنتے والے وزیر اعظم نواز شریف کی طرف سے اس وقت کے چیف جسٹس سجاد علی کی بڑی اس بات کا واضح ثبوت ہے کہ جمہوری حکومت ہو یا آمریت سرمایہ درانہ نظام میں انصاف اور احتساب ہمیشہ حکمران طبقہ کی تشریح کے مفادات کو خطرہ لاحق ہوا ہے، تو قانون اور آئین کی اپنی مرضی کی تشریح کر کے حکمران طبقے نے ان مفادات کی حفاظت کی ہے، یہ روایت جمہوری نظام کا خاصہ ہے۔ اس کے برعکس اسلام کے نظام حکومت میں حکمران صرف قرآن و سنت سے اخذ کئے گئے قوانین کو نافذ کرتا ہے اور حکمران کی اطاعت کی بنیاد بھی شریعت کے نفاذ کے ساتھ مشروط ہے۔ اگر خلیفہ اسلام کے احکامات سے اخراج کرے اور اپنی مرضی کرنے کی کوشش کرے تو عوام پر اسکی اطاعت کرنا لازم نہیں رہتا۔ بلکہ اس کو ہٹانا فرض ہو جاتا ہے۔

حکومت پاکستان کی معاشی پالیسیاں

حکومت پاکستان نے تبل اور گیس کی قیمت میں اضافے کے نتیجے میں موجودہ مالی سال کے پہلے چھ

دوں میں اسلام آباد میں ہونے والی ہم خیال ممالک کی کانفرنس میں بھی یہ معاملہ اہم اجتنڈا تھا۔ جب عراق کے مسلمانوں کا بے دریغ قتل عام کیا گیا اور لاکھوں مسلمانوں کا خون بھایا گیا تو یہ حکمران یوں تماشادہ کیتھے رہے کہ گویا یہ مردہ ہوں بلکہ وہ اس صلیبی حملے کا ہراول دستہ بنے اور اب جکہ امریکہ کو عراق کے بھاروں مجاہدین نے سخت مشکل میں ڈال دیا ہے۔ اور امریکہ کو واضح نشاست نظر آ رہی ہے تو یہ حکمران تابعدار غلاموں کی طرح امریکہ کو بچانے کے لئے متحرك ہو گئے ہیں۔ انہوں نے ایک بار پھر یہ واضح کر دیا ہے کہ ان کی خواہش میں ہی ہے کہ مسلم افواج مسلمانوں کے تحفظ کی بجائے کفار کا تحفظ کرے۔ آج ان حکمرانوں کو ہٹا کر اس خلافت راشدہ کو قائم کرنے کی ضرورت ہے جو کہ امریکہ کو اس خطے سے نکال باہر کر سکے۔ اور مسلم افواج کی قوت کو استعمال کرتے ہوئے امریکہ کی کمر توڑ دے گی۔

بھارتی صوبے بھار میں مسلم کش فسادات

گزرشہر دنوں بھارت کے صوبے بھار میں مسلم کش فسادات کا ایک نیا سلسہ شروع ہو گیا۔ ہندو انتہا پسند تظییم و شواہندو پر یشد کے مقامی رہنمے بھار کا دورہ کرتے ہوئے مسلمانوں کے خلاف زہر اگلا جو کہ ان فسادات کی بنیاد بنا۔ بھارت میں ہندو یعنی مسلمانوں کے خلاف ان کاروائیوں میں مسلم ملوث ہیں۔ اور حکومت ان پر خاموش ہے یا پھر ان کا حصہ بن رہی ہے۔ جیسا کہ ہم نے ماضی میں گھرات میں دیکھا کہ جہاں ہزاروں مسلمانوں کا قتل عام کروایا گیا۔ اور بھارتی حکومت اس میں ملوث رہی۔ بھارت میں حکومت کی طرف سے مسلمانوں کے خلاف ان کھلے اعترافات کے برعکس ہمیں نظر آتا ہے کہ ہمارے حکمران پاکستان میں ہندو مذہب کو پروان چڑھانے کے درپے ہیں۔ جو کہ نصاب میں ہندو مذہب کی تعلیم کو شامل کرنے اور پنجاب کے بیشتر علاقوں میں مندرجہ کی تعمیر کی صورت میں نظر آتا ہے۔ مزید ان اندیں چینز کو لکھی آزادی ہے جن کے ہڑڑا سے اور پروگرام میں ہندو مذہب کی عبادات کو بار بار دکھایا جاتا ہے۔ اسی طرح ان تمام مسلم کش فسادات پر حکومت پاکستان خاموش نظر آتی ہے۔

امریکی مطالعے

امریکی بینٹ کے ممبران نے بیش انتظامیہ پر زور دیا ہے کہ وہ پاکستان کے اندر مشتبہ القاعدہ اور طالبان کے ٹھکانوں پر حملہ کرے۔ تقریباً چھ سال پہلے امریکی صلیبی جنگ کا ہراول دستہ بنے کا اعلان کرتے وقت مشیر نے پاکستان کے عوام کو یقین دہانی کرائی تھی کہ افغان مسلمانوں کو ذبح خانے میں دھکیلنے کے عوض پاکستان محفوظ رہے گا۔ آج اسی ہزار سے زائد فوج پاک افغان بارڈر پر لگانے، سینکڑوں مسلمانوں کو پیڑک امریکہ کے حوالے کرنے اور اپنی ہی عوام کے خلاف وزیرستان اور قبائلی علاقہ جات میں فوجی کارروائی کرنے کے باوجود امریکہ پاکستان سے ناخوش ہے۔ اور اس سے مزید اقدامات کا تقاضا کر رہا ہے اور پاکستانی علاقوں میں حملے کرنے کی دھمکی دے رہا ہے۔ کسی نے کیا خوب کہا ہے کہ جو قوم دفعہ کے عوض اپنی سالمیت پیچ دے، اسے دفاع اور سالمیت دوں سے ہاتھ دھونے پڑتے ہیں۔ افسوس تو اس بات پر ہے کہ امریکہ کی طرف سے پاکستان پر حملے کا عنديہ دینے کے باوجود پاکستانی حکمران امریکی غلامی کا طوق اتنا چکنے کے لئے تیار نہیں۔ بلکہ ان کے مطالبات کو پورا کرنے کے لیے دن رات ایک یہی ہوئے ہیں۔





کم اپریل 2007 کو حزب التحریر کے زیر انتظام کراچی، لاہور، اسلام آباد اور پشاور میں فرضیت خلافت سمینارز منعقد کئے گئے۔ مندرجہ بالا تصاویر کراچی کے سمینار کی ہیں جہاں پہنچنے والوں لوگوں نے شرکت کی۔



یہ تصاویر آسٹریلیا کے شہر سڈنی میں حزب التحریر کے زیر انتظام ہونے والی خلافت کانفرنس کی ہیں۔ جو 2007 کے اوائل میں منعقد ہوئی۔ حکومت کی مخالفت کے باوجود ہونے والی اس کانفرنس میں مسلمانوں کی کثیر تعداد نے شرکت کی۔



28 فروری 2007 کو ڈھاکہ یونیورسٹی بگلڈ لیش میں حزب التحریر نے بگلڈ لیش کی معیشت کو استعارة کا تھوڑی رکھوانے کے اہم کردار ادا کر لیا۔ خلاف احتجاجی مظاہرہ کیا جس پر حکومت کی طرف سے حزب التحریر کے کئی اراکان کو گرفتار کر لیا گیا جنہیں تقریباً ڈیڑھ ماہ بعد 8 اپریل کو ہاکیا گیا

تندیٰ بادِ مخالف سے نہ گھبرا، اے عقاب

تو سمجھتا ہے حوادث ہیں ستانے کے لئے
یہ ہوا کرتے ہیں ظاہر آزمانے کے لئے

تندیٰ بادِ مخالف سے نہ گھبرا، اے عقاب
یہ تو چلتی ہے تجھے اونچا اڑانے کے لئے

کامیابی کی ہوا کرتی ہے ناکامی دلیل
رنج آتے ہیں تجھے راحت دلانے کے لئے

نیم جاں ہے کس لئے حالِ خلافت دیکھ کر
ڈھونڈ لے کوئی دوا، اس کو بچانے کے لئے

چین سے رہنے نہ دے ان کو، نہ خود آرام کر
مستعد ہیں جو خلافت کو مٹانے کے لئے

آتشِ نمرود گر بھڑکی ہے کچھ پروا نہیں
وقت ہے شانِ برائی کی دکھانے کے لئے

بیہم 1919ء میں لاہور سے شائع ہونے والے اُس وقت کے مشہور اخبار روزنامہ آفیو، میں شائع ہوئی، اس نظم
کے شاعر جناب سید صادق حسین شاہ تھے۔ یہ وہ وقت تھا جب خلافت کو ختم کرنے کے لیے برطانیہ اور دوسری
اسٹماری ریاستیں پر قبول رہی تھیں۔ اس نظم سے خلافت سے متعلق مسلمانان بر صغیر کی فکر مندی صاف عیاں ہے